اللہ
محمد رسول

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

فروری
2010ء

اَلۡمُجَاهِدُ مَنۡ جَاهَدَ نَفۡسَهٗ مُجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے (الحدیث)

ماہنامہ

المُرشد

جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نظام نہیں چاہتے، وہ عہدِ جاہلیت کا نظام چاہتے ہیں۔

امیر محمد اکرم اعوان

ماہنامہ المرشد

بانی	حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
سرپرست	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فروری 2010ء صفر المکرم / ربیع الاول

جلد نمبر 31 | شمارہ نمبر 6

مدیر

چوہدری محمد اسلم

سرکولیشن مینجر: رانا جاوید احمد

کمپیوٹرڈیزائننگ اینڈ لے آؤٹ

پلاٹینم گرافکس، لاہور
0300-4339894

قیمت فی شمارہ 25 روپے

PS/CPL#15

فہرست

اداریہ	محمد اسلم	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوالِ شیخ	انتخاب	5
دہشت گردی عذاب الٰہی ہے، علاج اتباع رسول ﷺ ہے	امیر محمد اکرم اعوان	7
بقائے عالم، ذکر الٰہی	امیر محمد اکرم اعوان	19
ہر شئے کی حیات اللہ کا نور	امیر محمد اکرم اعوان	29
ایمان ویقین برکاتِ نبوت ﷺ کا دامانِ رحمت (سوال وجواب)	امیر محمد اکرم اعوان	35
جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نظام نہیں چاہتے وہ عہد جاہلیت کا نظام چاہتے ہیں	امیر محمد اکرم اعوان	41
The Pure Life (Hayat-e-Tayyebah) by Abdul Ahmadain		56

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس۔ لاہور 042-36314365 ناشر۔ عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن آفس = ماہنامہ المرشد اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ڈاکخانہ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-35182727

رابطہ آفس = ماہنامہ المرشد اے۔ ٹی۔ ایم بلڈنگ پل کویاں، سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2668819

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

قلبِ سلیم

دراصل ذکر کثیرہ ذکر قلبی ہی ہے اور جب یہ نصیب ہوتا ہے تو دل کی دھڑکن میں کئی بار اللہ کا نام لیتا ہے اور یہ مسجد، بازار، کام کاج اور جہاد کے میدان میں بدستور جاری رہتا ہے۔ اس لئے اس کی فضیلت میں کلام نہیں۔ ذکر لسانی یا عملی عبادات تو فوت بھی ہوسکتی ہیں جیسے غزوۂ خندق میں حضور اکرم ﷺ کی چار نمازیں فوت ہوگئیں مگر قلب اطہر اور وجود عالی کا ذکر تو کسی حال میں منقطع نہ ہوا۔ نیز حالات اور ضرورت کے اعتبار سے اعمال کی فضیلت تبدیل ہوسکتی ہے۔ مگر جہاد میں سستی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ لیکن ذکر خفی یا قلبی عمل ہی ایسا عظیم الشان ہے کہ کوئی بھی مصروفیت اسے روک نہیں سکتی لہٰذا یہ سب سے افضل ہے کہ خلوص فی العبادات بھی اسی کا پھل ہے اور خلوص فی الجہاد بھی اسی کا ثمر ہے اور یہ سب باتیں روزِ روشن کی طرح واضح ہیں مگر بدکار یا نورِ ایمان سے محروم لوگوں کو اللہ کریم سمجھنے کی استعداد سے بھی محروم فرما دیتے ہیں اور گناہ سے عقل بھی زنگ آلود ہوجاتی ہے۔

اداریہ

ہماری بداعمالیاں......عذابِ الٰہی

پاکستانی قوم اس وقت ہر طرح کے مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ مسائل پر تفصیلاً تو درکنار ان کا مختصر ذکر بھی اگر کیا جائے تو اسکے لئے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ گو کہ ہماری مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوتی ہیں حج وعمرے پر جانے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ مگر ہماری عملی زندگیاں منافقت پر مبنی ہیں۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم اور لوٹ کھسوٹ کا راج ہے۔ بھائی بھائی کو لوٹنے پر تلا ہوا ہے۔ سرکار، عوام کو اور عوام، سرکار کو لوٹ رہی ہے۔ ہمارا لین دین، ہمارا کھانا پینا، ہماری سوچیں اور ہمارے معیارات غلط ہیں۔ غرض یہ کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ عدالتوں اور کچہریوں میں مقدمات کی بھرمار ہے۔ لوگ طرح طرح کے ظلم کا رونا روتے ہیں اور تاریخوں پر تاریخیں ڈالی جاتی ہیں۔ ماتحت عدالتوں میں کرپشن اب بھی ویسے کی ویسی ہے۔ مہنگائی اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ لوگ اسکی وجہ سے خودکشیاں کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ پاکستان میں غریبوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ حکومتیں اپنے فرائض ادا کرنے کی بجائے "سیاسی چکروں" میں پڑی رہتی ہیں۔ بجلی، گیس اور ٹیلی فون کے بل ادا کرنے کے بعد غریب کی جیب میں کچھ نہیں بچتا اور اسے گھر کا چولھا گرم رکھنے اور بچوں کا پیٹ پالنے کی فکر چین نہیں لینے دیتی۔ غربت، بے روزگاری اور مہنگائی کے مسائل دہشت گردی کے انتہائی خطرناک مسئلے کی وجوہات میں شامل ہیں۔ پاکستان میں دہشت گردی کی وارداتیں کرانے والی ہماری دشمن قوتوں کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جن کٹھ پتلیوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ان کو پاکستان ہی میں میسر آجاتی ہیں کیونکہ غربت کے مارے ہوئے لوگ چند ہزار یا چند لاکھ روپوں کی خاطر دہشت گردی کے آلہ کار بننے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔ آج ہمارا ہر شہر مقتل بن چکا ہے۔ ہر طرف بدامنی ہے۔ خودکش دھماکے ہو رہے ہیں۔ ہمارے فوجی جوان، پولیس اہلکار اور بے گناہ عوام جان بحق ہو رہے ہیں۔ حکومت نے دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ شروع کر رکھی ہے۔ جس کی کامیابی کے دعوے آئے دن سننے میں آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دہشت گردی میں کمی نہیں، اضافہ ہو رہا ہے۔

وفاقی وزیر پانی وبجلی راجہ پرویز اشرف نے ٹی وی چینلز پر ایک سے زیادہ بار قوم سے وعدہ کیا تھا کہ 31 دسمبر 2009ء تک بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن جنوری 2010ء میں بھی ملک کو بدتر لوڈ شیڈنگ کا سامنا ہے۔ گیس کی لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ بجلی اور گیس کے بحران کی وجہ سے ملیں بند ہو رہی ہیں۔ مارکیٹ سے کبھی آٹا تو کبھی چینی غائب ہو جاتی ہے۔ لوگ ان بنیادی ضروریات کے حصول کی خاطر دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ قومی صحت کا معیار دن بدن گر رہا ہے۔ نت نئے امراض پھیل رہے ہیں۔ مریضوں کو ملاوٹ زدہ ادوایات استعمال کرنی پڑتی ہیں۔ ہسپتالوں میں چلے جائیں تو رش کا عالم دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ خدانخواستہ پوری قوم ہی بیمار پڑ گئی ہے۔ ہسپتالوں میں بیڈ کم اور مریض زیادہ ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری اس دنیا میں پاکستان کے علاوہ دو سو ممالک اور بھی ہیں۔ درج بالا سطور میں ہم نے جن گونا گوں مسائل اور مشکلات کا ذکر کیا ہے آخر ان کا سامنا ہمارے وطن کو ہی کیوں کرنا پڑ رہا ہے اور دنیا کے دیگر ممالک ان مسائل سے محفوظ کیوں ہیں؟ یہ بات بھی درست ہے کہ دنیا میں پاکستان سے کہیں زیادہ غریب ممالک بھی موجود ہیں لیکن ان ملکوں کو خوف، بدامنی، دہشت گردی، بدانتظامی اور کرپشن کے اس عذاب کا سامنا نہیں۔ جس سے وطن عزیز گزر رہا ہے۔ ہماری اس بدحالی اور اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کو فراموش کر دیا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے وطن عزیز میں اس کا نظام نافذ کریں گے۔ ہم نے یہ وعدہ بھی بھلا دیا اور آج 62 برسوں کے بعد بھی اس مملکت خداداد میں انگریز کا سیاسی، تعلیمی اور عدالتی نظام رائج ہے۔ ہماری اس بدعہدی اور اس وعدہ خلافی کا نتیجہ ہم پر بدحالی اور بدامنی کے عذاب کی صورت میں برآمد ہو رہا ہے۔ اس عذاب سے بچنے کا راستہ توبہ ہے۔ ہم جب تک اپنا قبلہ درست نہیں کرتے، ایک دوسرے کے حقوق العباد کی ادائیگی کا لحاظ نہیں کرتے، اللہ کے حضور صدقِ دل سے توبہ نہیں کرتے، اس وقت تک یہ عذاب ٹلتا نظر نہیں آتا۔

محمد اسلم

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر — نشانِ منزل — کونسی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر — متاعِ فقیر — آس جزیرہ — دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

''میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں' اس کی مجھے خبر نہیں' اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سیکھا یا کم' سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیضِ نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔''

نعت

نام محمد ﷺ روشن روشن نور کا اک مینارہ ہے
ذات اپنی کے مظہر کو اس ذات نے خوب سنوارا ہے

ہے مخلوق، نہیں شک اس میں لیکن وہ یکتا بھی ہے
دو عالم میں سب سے بڑھ کر اپنے رب کو پیارا ہے

حامد ہے، محمود بھی ہے اور محبّ محبوب بھی ہے
یٰسین، طٰہٰ، نُور، مزمل ذکر انہیں کا سارا ہے

کفر و شرک کی تاریکی میں سارا عالم ڈوبا تھا
نورِ قرآں آپ ﷺ ہی لائے جس نے اسے اُبھارا ہے

قہر و جبر کی سخت چٹانیں بوجھ بنی تھیں انساں پر
آپ ﷺ نے انسانوں کے سر سے ظلم کا بوجھ اُتارا ہے

پھر سے عطا ہو عشق محمد ﷺ روشن پھر سے سینے ہوں
مار دے نفسِ امارہ یا ربّ، نفس نے ہم کو مارا ہے

دیکھو تو سیمابؔ کی قسمت لگتی کتنی پیاری ہے
لکھنے بیٹھے نعتِ نبی ﷺ تو لگتا کتنا پیارا ہے

اقوالِ شیخ

☆ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے جس کے ہر پہلو میں عظمت اور بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے۔

☆ اگر ہمارا عمل قرآن کی اطاعت نہیں کرتا تو اس کا معنیٰ یہی ہے کہ ہم اپنی پسند سے جینا چاہتے ہیں۔ اللہ کی پسند سے نہیں۔

☆ جب ہم کلمہ اسلام پڑھتے ہیں تو ہم اپنی حیثیت کی نفی کر دیتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ کائنات، یہ زمین، یہ آسمان، یہ گھر، یہ مکان، یہ دولت، یہ مال، یہ وجود، یہ میری جان، میری عزت، میری آبرو، میری صحت، میرا قد وقامت، میری ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ میں بھی اس کی ملکیت ہوں۔ مجھے پھر کیا کرنا ہے، جو وہ کہے وہ کرنا ہے جہاں سے روک لے۔ وہاں رک جانا ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسلام ہے۔

☆ کسی صاحب دل کو تلاش کرو۔ اس کے پاس صرف بیٹھنا شروع کر دو کوئی صاحب دل مل جائے کوئی ایسی محفل مل جائے۔ جس میں کوئی صاحب دل ہو اور وہاں صرف بیٹھنا شروع کر دیں۔ اور کچھ نہ کریں صرف وہ صحبت، دل کو درد عطا کر جائے گی۔

☆ اسلام دو عالم کی فلاح ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے۔ دنیا کا ایک لمحاتی اور وقتی رنگ ہے۔ یہ ختم ہو جائے گا۔

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمدورفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھوْ'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھوْ'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھوْ'' کی چوٹ اُس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھوْ'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھوْ'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کہا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز رہے اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ:- ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کیلئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پہ لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھوْ'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا کر ٹکرائے۔

دہشتگردی عذابِ الٰہی ہے علاج اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے

امیر محمد اکرم اعوان 10-1-3 دارالعرفان منارہ، چکوال

الحمد لله، الحمدلله رب العلمين والصلوٰة والسلام

علی حبیبه محمد و آله واصحابه اجمعین۔

اعوذ بالله من الشیطن الرجیم O

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَۨا الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾

ارشاد فرمایا میرے حبیب عالم صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت سے فرما دیجئے یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ۔ اے اولاد آدم! اے عالم انسانیت اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ، میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول ہوں وہ اللہ جس کی حکومت، قبضہ واختیار آسمانوں زمین، ساری کائنات پر ہے۔ جو حقیقی معنوں میں حاکم ہے۔ اور جس کے علاوہ اور کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں۔ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ وہ ایسا قادر ہے۔ جو بے جان کو حیات عطا کر دیتا ہے۔ زندوں کو موت دے دیتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تمہارے لئے صحیح راستہ صرف ایک ہے۔ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ اللہ پر ایمان لاؤ وَرَسُوۡلِہٖ اور اس کے رسول پر، النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اس کا وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کا دنیا کا کوئی انسان روئے زمین کی کوئی مخلوق استاد نہیں۔ اس نے اللہ کے سوا کسی سے سیکھا نہیں اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہے۔ او راس کے احکام پر بھی لہٰذا وَاتَّبِعُوۡہُ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو، اطاعت کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلنا شروع کرو، لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ تاکہ تم صحیح راستہ پا سکو۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ دو عالم کے حقائق چند حروف میں آشکارا کر دیتا ہے اور ہر آیت اپنے طور پر پوری انسانیت کی رہنمائی کیلئے کافی ہے یہ تیس سپارے جو 6666 آیات ہیں۔ یہ محض اللہ کا احسان ہے کہ اس نے نوع انسانی کو اپنے کلام سے نوازا۔ ورنہ صرف ایک آیت بھی نازل ہوتی۔ کوئی ایک آیت بھی تو انسانی زندگی کی رہنمائی کیلئے وہ کافی تھی۔ اس لئے کہ ہر آیت اتباع رسالت کی دعوت دیتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہستی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اللہ کا ارشاد ہے۔ قرآن ہے اور یا حدیث ہے۔ حدیث بھی اللہ ہی کا حکم ہے اللہ ہی کا ارشاد ہے حدیث اور قرآن میں فرق یہ ہے کہ قرآن بعینہٖ الفاظ بھی اللہ کے ہیں اور حدیث میں الفاظ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں مفہوم وہی ہے جو اللہ نے

آپ پر وحی کیا ہے حدیث بھی وحی ہے۔ قرآن بھی وحی ہے۔ قرآن کو وحی متلو کہتے ہیں۔ حدیث وحی غیر متلو ہے۔ حدیث کا انکار ویسا ہی انکار ہے جیسا قرآن کریم کا انکار۔ اس لئے کہ قرآن بتاتا ہے کہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ میرا حبیب ﷺ کبھی بھی اپنی مرضی، اپنی پسند، اپنی خواہش سے ارشاد نہیں فرماتا۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴿۴﴾ (سورۃ النجم) جب تک ان پر اللہ کی طرف سے وحی نہیں آتی۔ کوئی عمل، کوئی طریق حیات، کوئی عقیدہ، دینی معاملات کا کوئی شعبہ، فرض، واجب، سنت اور مستحباب تک اپنی پسند سے ارشاد نہیں فرمایا۔ یہ حضور ﷺ کی شان ہے کہ آپ ساری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے۔ آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام خود پہلے انسان تھے اور پہلے نبی تھے جنہوں نے روئے زمین کو آباد کیا۔ ان کے بعد مسلسل نبوت آتی رہی۔ ہر نبی کا عہد اور دور بھی متعین ہوتا تھا۔ اُمت بھی متعین ہوتی تھی ایسا بھی ہوا کہ کبھی ایک ایک شہر میں تین تین نبی مبعوث ہوئے انہوں نے مل کر کام کیا اور کبھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مختلف نبی تھے اور ان کی اُمتیں محدود تھیں ہر اُمت کے لئے اپنے نبیؑ کا اتباع شرط تھا۔ اور یہ اللہ کا کرم تھا کہ اس نے لوگوں کی جو انہیں استعداد کار عطا فرمائی اور جتنا شعور عطا فرمایا۔ جس طرح کی عقل وخرد عطا فرمائی اس طرح کے احکامات وعبادات ان کے لئے تجویز فرمائیں۔ دین مشکلات کیلئے نہیں ہوتا۔ مشکلات کا حل ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو اب یہ رواج ہو گیا ہے نا کہ جی اب دین پر چلنا بہت مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین زندگی کو آسان کرتا ہے۔ اور دین پر چلنا باقی ساری طرز حیات ہیں ان کی نسبت آسان ہوتا ہے۔ دین آسانی کیلئے ہوتا ہے مشکلات کیلئے نہیں۔ دین انسان کو سیدھے راستے پہ ڈالتا ہے۔ اور ہمیشہ سیدھا راستہ آسان ہوتا ہے جو راستے سے بھٹک جائے تکالیف اس کے لئے ہوتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی شان ہے کہ آپ ﷺ ساری انسانیت کیلئے مبعوث ہوئے۔ اب اس ہستی کو دیکھئے کہ جس ہستی کا بات کرنا بھی قیامت تک کیلئے دین بن جائے۔ جس ہستی کا کام کرنا بھی قیامت تک کیلئے دین بن جائے۔ جس ہستی کا بیٹھنا اٹھنا قیامت تک کیلئے دین بن جائے۔ جس ہستی کی صلح اور جنگ قیامت تک کیلئے دین بن جائے۔ جس کا کاروبار کرنا، خرید وفروخت یعنی زندگی کے سارے اعمال ساری خوشیاں سارے دکھ سب کچھ ایسا بن جائے کہ وہ قیامت تک کیلئے نمونہ بنتا جائے۔ سنگ میل بنتا جائے اور قیامت تک کی انسانیت پر اس کی پیروی لازم ہو جائے۔ اس ہستی کی اپنی زندگی کیسی ہوگی۔ جس کا کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ وہ اپنی خواہش سے بسر کرے۔ ہر لمحہ اللہ کی رضا کا مظہر ہے۔ اور کتنی عجیب بات ہے۔ کہ قرآن کریم آہستہ آہستہ نازل ہوا۔ تیئس برسوں میں باقی کتابیں تو انبیاءؑ کو عطا کر دی گئیں۔ لیکن آپ ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اس کے نزول میں تیئس برس لگے۔ اللہ کریم نے آپ ﷺ کی نبوت کو بھی قیامت تک رکھنا تھا۔ اس کتاب کو بھی قیامت تک رکھنا تھا اور اس کے احکام ایسے تھے کہ جو اس عہد میں بھی روئے زمین پر جس موسم جس حال، جس ماحول میں انسانیت ہو رہنمائی کرے۔ اور پھر صدیاں بدلتی جائیں، زمانے بدلتے جائیں، ماحول بدلتے جائیں، لوگوں کا رہن سہن بدلتا جائے سب

کچھ بدلے لیکن اس کے احکام نہ بدلیں ہر ماحول، ہر حال میں رہنمائی کریں۔ اور صحیح راہنمائی کریں۔ اس میں یہ اعجاز بھی رکھا کہ اس کا کوئی لفظ کوئی نقطہ قیامت تک تبدیل نہ ہو اب بھلا جس کتاب کا کوئی نقطہ کوئی زیر زبر تبدیل نہیں کر سکا۔ اس کے کسی حکم میں کوئی تبدیلی لانے کا کوئی سوچ سکتا ہے اس کے سارے احکام ناقابل تبدیل ہیں۔ اور سارے الفاظ و حروف بھی ناقابل تبدیل ہی ہیں۔ پھر اس کا یہ اعجاز کہ کہیں سوال پیدا ہوا تو اللہ کی بارگاہ سے جواب آ گیا۔ پورے قرآن کریم کی تنزیل اسی طرح سے ہے کہ ماحول میں ایک ضرورت پیدا ہوئی کہ اب کیا کیا جائے تو عرشِ عظیم سے جواب آ گیا۔ اس کو اس طرح کیا جائے۔ ایک تو اس میں رہنمائی کی گئی۔ انسانوں کی آسانی ہوگئی دوسرا کسی بات کو آپ کسی واقعہ سے جوڑ دیں تو وہ خواہ مخواہ حافظہ میں رہ جاتی ہے یاد کرنے کا بہت اچھا طریقہ ہے کہ آپ اسے کسی واقعہ کی نسبت سے یاد رکھیں۔ تو وہ بات یاد رہتی ہے یوں اس کا حفظ کرنا اور یاد رکھنا بھی آسان ہو گیا۔ اس کی حفاظت کے اسباب بھی ہو گئے اور پھر ساتھ یہ شان بھی ارشاد فرمایا کہ اپنے اس نبی کے ساتھ ایمان لاؤ جو اُمّی ہے۔

یہاں ہمارے ہاں کبھی تو اُمّی کا ترجمہ: ترجمے میں بھی اُمّی ہی کر دیتے ہیں اور کبھی ان پڑھ لکھ دیتے ہیں یعنی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا لیکن جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے مفہوم کو ہمارا یہ ترجمہ ادا نہیں کر رہا۔ اُمّی سے مراد یہ ہے کہ جس نے نوع انسانی کے کسی بڑے سے بڑے فاضل سے کوئی لفظ کوئی ترجمہ کوئی طریقہ نہیں سیکھا۔ جسے ہم علم کہتے ہیں یا لکھا پڑھا بندہ کہتے ہیں یا عالم کہتے ہیں یا لکھنا پڑھنا جانتا ہے۔ اس کے بارے اس کے اساتذہ کی بھی ایک اتنی لمبی فہرست ہوتی ہے۔ اور جسے بہت بڑا عالم سمجھا جاتا ہے اس کے اساتذہ میں بھی بہت بڑے بڑے نام آتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں ان کی رائے سے اختلاف بھی ہوتا ہے بعض اوقات جزئیات میں اختلاف ہوتا ہے بعض اوقات ہم کہتے ہیں کہ انہیں ساری ہی غلطی لگی اس کا مفہوم یہ نہیں تھا۔ یہ تھا جیسے ابھی ہم کہہ رہے ہیں کہ اُمّی کا ترجمہ یہ جوان پڑھ کر دیتے ہیں یا لکھنا پڑھنا نہ جاننے والا یہ صحیح نہیں تو اختلاف ہو گیا تو ہم سے بڑے سے بڑے ایسے ایسے لوگوں نے لکھا ہے جن کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی ہم نہیں۔ لیکن ہمارا اختلاف تو ہو گیا ہم کہہ رہے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ ہماری رائے میں صحیح نہیں تو جو میں نے سمجھا وہ یہ ہے کہ یہ ایک عجیب شان ہے۔ حضور ﷺ کی کہ روئے زمین پر بسنے والی مخلوق سے یا انسانوں سے یا اعلیٰ ترین علماء سے یا فلاسفہ سے مورخین سے کسی سے کوئی لفظ نہیں سیکھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے باوجود زندگی کے ہر سوال کا جواب دیا اور ایسا جواب دیا جو اکیلا سچ ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہیں یعنی اُمّی ہونا بہت بڑی عظمت کی دلیل ہے کہ جو بھی کبھی دوسروں کو سکھاتا ہے پہلے کسی سے سیکھتا ہے پھر ایک عجیب بات ہے کہ جو کچھ استاد سکھاتا ہے بہت کم شاگرد ایسے ہوتے ہیں جو کما حقہ، ویسا ہی سیکھتے ہیں جیسے ابھی میں بیان کر رہا ہوں ہر ساتھی اپنی استعداد کے مطابق سمجھ رہا ہے اور ہو سکتا ہے بہت سے ایسے ہوں جو سمجھ صحیح لیں۔ لیکن اگر آپ انہیں بعد میں پوچھیں کہ کیا کہا گیا تھا وہ بیان نہ کر سکیں۔ بعض ایسے ہونگے جو بیان کریں گے۔ اس کا مفہوم وہ

نہیں ہوگا جو میں کہہ رہا ہوں شاید ان کے الفاظ بدل جائیں۔ ان کا مفہوم ہی بدل جائے۔ تو ہر سیکھنے والے کما حقہ اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ عجیب ہستی ہے، عجیب شان ہے اس کی کہ اس نے جو سیکھا اللہ سے سیکھا۔ جو پایا رب العالمین سے پایا۔ اب جو رب العالمین سے انبیاء کو عطا ہوتا ہے اس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا نہ سمجھنے میں اور نہ آگے بیان کرنے میں یہ کمال ہے یعنی نبیؐ کا کمال یہ ہوتا ہے نبیؐ کو وہ قوت دی جاتی ہے جو صرف نبیؐ کی شان ہے کوئی غیر نبیؐ کتنے بڑے مرتبے کا ہو وہ اس کا اہل نہیں ہوسکتا۔

علماء اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ تمام انبیاء آدم علیٰ نبیا وعلیہ والسلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی اور رسول گزرے ہیں ان کے علاوہ باقی جتنی مخلوق گزری ہے پہلی امتیں صحابہ، علماء، فضلاء ان سب پر فضیلت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپؓ کو افضل البشر بعد الانبیاء ہیں اس ساری فضیلت کے باوجود نزول وحی کے وقت وحی کا کوئی لفظ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہیں سنا۔ سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی کسی نے نہیں سنی کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اسے سننے کے لئے نبوت کی استعداد چاہیئے۔

آج تو سائنس بہت آگے نکل گئی ہے اور دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں۔ میں ایک دفعہ امریکہ ایک ریاست RENI میں تھا تو وہاں ہرن کی قسم کے بڑے بڑے جانور بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ اور وہ رات کو شہر میں آجاتے تھے۔ دن کو بھی آگھستے تھے۔ چونکہ ان کو وہاں تحفظ حاصل ہے وہاں کوئی انہیں مارتا نہیں تو وہ آجاتے تھے رات کو اکثر آجاتے تھے تو ان گاڑیوں میں خاص قسم کے ہارن لگے ہوتے تھے کہ آپ نے جیسے گاڑی کا سوئچ آن کیا انجن سٹارٹ کیا تو ہارن بجنا شروع ہو گیا لیکن وہ ہارن کسی انسان کو سنائی نہیں دیتا تھا حالانکہ وہ بج رہا ہوتا تھا یعنی اس کی جو فریکونسی تھی وہ اتنی نیچے تھی (Low) تھی کہ انسانی سماعت کی جو فریکونسی ہے اس میں نہیں آتی تھی۔ لیکن جانوروں کی قوت سماعت چونکہ تیز ہوتی ہے جانوروں کو سنائی دیتا تھا۔ تو اگر آپ سڑک پر جارہے ہیں جانور آپ کو نظر نہیں آرہا لیکن جانور کو آپکی گاڑی کا ہارن سنائی دے جائے گا آپ سے پہلے آپ کے راستے سے ہٹ جائیگا۔ یعنی اگر انسان ایسی چیزیں ایجاد کرسکتا ہے کہ مخلوق کی ایک نسل سنے اور دوسری مخلوق نہ سن سکے۔ جانور بھی مخلوق ہے، اس کی قوت سماعت تیز ہے، وہ سن لیتا ہے ہمیں وہ سنائی نہیں دیتا۔ اسی طرح بعض جانوروں میں سونگھنے کی قوت ہے اب وہ اس کے پیچھے دور دور تک اسکی راہنمائی کر لیتی ہے تو کلام الٰہی کو سننے کیلئے وہ فریکونسی چاہیئے۔ جس میں وہ تقدس ہو پاکیزگی ہو، وہ تزکیہ، وہ نورانیت ہو، جس میں رائی برابر کوئی گرد نہ ہو۔ جس میں گرد کا ایک ذرہ بھی نہ ہو۔ اور وہ فریکونسی ہوتی ہے۔ نبوت اب موسیٰ علیٰ نبیا علیہ السلام کے بارے آتا ہے کہ **وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا**(النساء 164) براہ راست کلام الٰہی سے سرفراز ہوئے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے یہ نہ سمجھو کہ موسیٰ علیہ السلام کے کان سنتے تھے۔ کلام الٰہی جب کسی سے ہوتا ہے تو اس کا ہر ذرہ بدن سنتا ہے۔

یعنی وجود کے ڈھائی ارب سیل کان بن جاتے ہیں کہ ہر سیل سنتا ہے۔ تو اب ایک ہستی کا یہ مقام کہ قیامت تک کی آنے والی

انسانیت کے ہر ماحول، ہر زمانے، ہر عہد ے اس کی ضروریات اس کے موسم اس میں جونئی تبدیلیاں لوگوں کی سوچ میں آئیں پھر نئی ایجادات آئیں۔ عجیب وغریب طریقے وضع ہوں۔ ان سب تبدیلیوں کے باوجود ایسے طرز حیات سے مطلع فرمائے کہ وہ طرز حیات متاثر نہ ہوا اور سب تبدیلیوں کے باوجود قابل عمل رہے۔ یہ شان صرف محمد رسول اللہ کی ہے۔ اور پھر آپکی شان ہے آپ امی ہیں۔ امی یعنی آپ ﷺ نے کسی سے کوئی لفظ نہیں سیکھا۔

سارے علوم براہ راست ذات باری سے حاصل ہوئے آپ ﷺ کا ایک ارشاد فرمایا ہوا ایک ایک جملہ علوم کا خزانہ ہے چودہ سو سال ہو گئے لوگوں کو تشریحات کرتے ہوئے اور وہ خزانے ختم نہیں ہوتے اور میں نے قرآن کریم کے بارے بھی کتنی دفعہ بیان کرنے کی سعادت پائی۔ ساری عمر گزر گئی الحمد اللہ اسرار التنزیل لکھی سمجھا اس میں ہم نے خزانے لٹائے ہیں ہم جب بیان کرتے ہیں تو بیشمار باتیں اور آجاتی ہیں تو جو پہلے نہیں آئیں ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ حکمتیں ہی حکمتیں ہیں۔ تہہ در تہہ اس میں معانی ہیں، راز ہیں اور ہر شعبہ میں وہ راہنمائی کرتا ہے سو فرمایا ایک بات تو یہ سن لو کہ محمد رسول اللہ ﷺ اپنے بارے بیان فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! تم جہاں کہیں ہو جیسے بھی ہو، جس زمانے میں بھی ہو شمع محفل میں ہی ہوں۔ میں رسول ﷺ ہوں تمہارے لئے سارے زمانوں کیلئے ساری انسانیت کیلئے اس اللہ کا رسول ﷺ ہوں جو کائنات کا خالق بھی ہے اور واحد مالک بھی جس کا حکم جاری وساری رہتا ہے۔ حکومت اسی کی ہے اور اس جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ اس کے مقابلے میں کسی دوسرے کی اطاعت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے۔

تمہارے لئے سلامتی کا ایک ہی راستہ ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے زمین پر خط کھینچا۔ پھر بہت سے خط دائیں بائیں کھینچے۔ فرمایا یہ جو سیدھا خط ہے یہ اسلام ہے۔ ان میں سے کوئی دائیں نکلے، بائیں نکلے اس میں سے بیشمار راہیں نکلیں گی۔ لیکن وہ اسلام نہیں ہوگا۔ تمہارے لئے صرف ایک راستہ ہے۔ امنو باللہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اللہ پر ایمان تب نصیب ہوگا جب اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ الٰہکے اللہ ہونے کی اللہ کے وحدہٗ لا شریک ہونے کی ہمارے پاس دلیل کیا ہے؟۔ جو تین معبود مانتے ہیں۔ وہ بھی اپنی دلیلیں لئے پھرتے ہیں کوئی بتوں کو معبود مانتا ہے۔ ان کی عبادت کے لئے وہ اپنی دلیل لئے پھرتا ہے ان سب کے درمیان ہمارے پاس کونسی حتمی دلیل ہے کہ اللہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ صرف ایک دلیل ہے محمد الرسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ واحد ہے۔ لاشریک ہے۔ اللہ کے رسول کو رسول مانو گے تو اللہ کی توحید پر ایمان نصب ہوگا۔ اور اس کی رسالت کی شان یہ ہے کہ اس نے دنیا سے کسی سے کچھ نہیں سیکھا اور ساری دنیا کو سب کچھ سکھایا۔ امی کا معنی یہ ہے کہ اس نے اللہ کے علاوہ کسی سے کچھ نہیں سیکھا اور قیامت تک آنے والی مخلوق کو سب کچھ اسی نے سکھایا اور اس کا اپنا یقین بے مثل وبے مثال تھا۔ اللہ پہ بھی اور اللہ کے احکام پر بھی۔ یہاں سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے۔ کہ جو دوسروں کو سکھانا چاہتا ہے۔ پہلے اسے اپنے علم پر اعتبار اور یقین بھی نصیب ہو۔ اپنا ایمان سالم ہو سلامت

ہوتو دوسروں کی راہنمائی کر سکے گا۔ اور اگر اپنا یقین متزلزل ہوگا تو دوسروں کو بھی لے ڈوبے گا۔

ہمارے ہاں پیری مریدی کا ایک رواج ہے اور ہم چاہتے ہیں کہیں خانہ پری ہو جائے۔ کسی مشہور خانقاہ کسی مشہور عالم سے ہم کہہ لیں کہ میں نے بیعت کر لی ہے پھر جو جی چاہے کرتے رہیں۔ پیر صاحب جانیں اور اللہ جانے پھر پیر صاحب آپ بھگتیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (سورہ النجم 38) کوئی دوسرا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر شخص کو اپنے اعمال خود بھگتنے پڑیں گے۔ پیری مریدی اس لئے نہیں ہوتی کہ قیامت کے دن سارے گناہ پیر پر لاد دیئے جائیں گے اور مرید چلے جائیں گے۔ پیر مار کھاتا رہے گا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ ہوتا یہ ہے کہ ہمیں وہ یقین کی دولت چاہئے وہ ایمان چاہئے۔ وہ اعتماد چاہئے جو ہمارے ناک میں نکیل ڈال دے اور ہمیں برائی سے بچائے۔ اپنے اندر وہ یقین واعتماد ہو کہ ہم برائی سے خود کو بچائیں تو اس کے لئے ہم کسی شیخ کے پاس جاتے ہیں تو اس کے اپنے پاس سے تو زیادہ ہونا چاہئے کہ ہمیں کوئی ذرہ دے سکے۔ وہ کہاں سے لے گا۔ وہ اپنے شیخ سے لے گا اور یہ سلسلہ بار نبوت ﷺ تک پہنچے گا۔ ساری برکات تقسیم وہاں سے ہوتی ہیں۔ ایک کلاس میں بیشمار لوگ پڑھتے ہیں۔ بہت سے بچے ہوتے ہیں۔ بہت سے بچے فوج میں داخلہ لیتے ہیں۔ آرمی کے کورسز کرتے ہیں۔ کیا وہ سارے جرنیل بن جاتے ہیں؟ بہت سے بچے پڑھتے ہیں کیا وہ سارے عالم بن جاتے ہیں۔؟ کوئی کہاں رہ جاتا ہے کوئی کہیں کوئی جا کے، صف اول پہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح مشائخ عظام کے پاس بھی بیشمار لوگ آتے ہیں کوئی جا کے نکلتا ہے جو اتنا حاصل کر لے کہ دوسروں تک پہنچا سکے۔ پھر حاصل کرنا اور بات ہے اسے آگے پہنچانا پھر اور بات ہے۔ بعض لوگوں میں بہت علمی صلاحیت ہم نے دیکھی ہے اگر وہ پڑھانا چاہیں تو بہت اچھا پڑھاتے ہیں لیکن انہیں کہیں کہ سٹیج پہ بیان کرو، تو وہ نہیں کر سکتے۔ بعض لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ انہیں سٹیج پہ کھڑا کر دو وہ دھواں دھار تقریر کریں گے۔ لیکن اس کلاس کو یہ مضمون پڑھا دو تو نہیں پڑھا سکتے۔ حالانکہ عالم وہ بھی ہے عالم وہ بھی ہے۔ سیکھا اس نے بھی ہے سیکھا اس نے بھی لیکن آگے دینے کا Deliver کرنے کی استعداد ہر ایک کی پھر اپنی ہے تو نسبت جوڑنے کیلئے تعلق قائم رکھنے کے لئے یہ دیکھنا شرط ہے کہ اس بندے سے مجھے وہ یقین ملے گا۔ خود اسے یقین ہے اور اگر ہے تو مجھے اس سے ملے گا؟ کہاں سے پتہ چلے؟ یہ سوال بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام نے کیا تھا۔ اللہ کریم کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے صحابہ کرامؓ پر اتنی باتیں پوچھیں اتنی باتیں پوچھیں کہ زندگی کا کوئی پہلو انہوں نے تشنہ نہیں چھوڑا۔ قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کی رہنمائی فرمائی۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول ﷺ آپ تو چشم عالم سے پردہ فرما جائیں گے۔ اب تو سورج نکلا ہوا ہے جو آتا ہے سورج کے سامنے ہوتا ہے جگمگا اٹھتا ہے۔ آپ ﷺ پردہ فرما جائیں گے تو لوگ کہاں جائیں گے؟ کس سے سیکھیں گے؟ کس کو اچھا سمجھائیں گے؟ کس کے پاس جائیں گے؟ فرمایا اس بندے کے ساتھ رہو۔ اس بندے کے ساتھ رہو جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آئے۔ یعنی جس کے پاس جا کر

آپ بیٹھیں تو اللہ یاد آئے۔ اس کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ تب ہی یاد آئے گا کہ اس کے دل میں بستا ہو۔ اب مفاہیم ہم نے بدل لئے۔ ہماری بدنصیبی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کے پاس جاؤ اولاد ملے گی۔ نوکری ملے گی۔ بیماری سے شفا ملے گی۔ بیماری کا علاج کرنے کے لئے ڈاکٹر طبیب ہیں۔ روزی کیلئے محنت اور مشقت ہے۔ جو اللہ کو نہیں مانتے وہ بھی کھا رہے ہیں۔ ان کو بھی مل رہی ہے۔ جو کافر ہیں۔ ان کو بھی مل رہی ہے جو بت پرست ہیں۔ ان کو بھی مل رہی ہے۔ تو پھر اس میں پیر کا کیا کمال ہے؟ کوئی ایسی بات بتاؤ جو پیر کے علاوہ نہیں مل رہی کسی کو اولاد بھی ساری دنیا کو مل رہی ہے۔ کافروں کو بھی، بدکاروں کو بھی، ظالموں اور کافروں کو بھی، روزی مل رہی ہے۔ سارے کھا پی رہے ہیں۔ بلکہ اکثر بدکار زیادہ دولت مند ہیں۔ تو پھر پیر کے پاس کیا لینے جانا ہے؟ پھر ان بدکاروں کے پاس جاؤ جن کے پاس زیادہ دولت ہے۔ شاید کوئی ذرہ دے دیں۔ پیر کے پاس وہ دولت ملتی ہے جو دنیا میں نایاب ہے اور وہ یہ ہے ایمان بـاللہ اللہ پر یقین محمد رسول پر وہ یقین جو ہمیں آپ ﷺ کی غلامی پر مجبور کر دے۔

اور جہاں سے یہ نہ ملے وہاں پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ باقی چیزیں تو دنیا میں ملتی ہیں۔ ہر ایک کو ہر جگہ مل رہی ہیں۔ اور فرمایا صرف یہ ایک راستہ ہے۔ اتباع کر لو محمد رسول اللہ ﷺ کا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ تاکہ تم اللہ کی رضا کو پا سکو کہ تم دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکو۔

حضرات ہم گرتے گرتے اس سطح پر پہنچ گئے جہاں اللہ کا حکم ہے کہ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وہ تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے گا۔ اگر تم میرے نبیؐ کی اطاعت نہیں کرو گے۔ اور اپنی خواہشات نفس پر چلتے رہو گے تو ایک وقت آئے گا کہ اللہ تمہیں شیعہ بنا دے گا۔ گروہ گروہ بنا دے گا۔ الگ الگ طبقے بنا دے گا۔ وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ (سورۃ انعام آیت 65) تم سارے طبقے ایک دوسرے کے قتل عام پر لگ جاؤ گے۔ پھر ایک دوسرے سے لڑو گے۔ ایک دوسرے کے بندے مارو گے۔ ایک دوسرے کو تباہ کرو گے پھر اس کا نتیجہ قومی تباہی ہوگا کہ ایک قوم مختلف حصوں میں تقسیم ہوگی۔ اور وہ حصے آپس میں لڑ گئے تو قوم تباہ ہو رہی ہوگی۔ آج دیکھ لیں ہم پر یہی عذاب مسلط ہے ہمارے گھر محفوظ نہیں ہمارے بازار محفوظ نہیں ہماری عدالتیں محفوظ نہیں ہمارے تھانہ محفوظ نہیں۔ عدالت میں پابند سلاسل بندہ کھڑا ہے وہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔ تھانے میں ہے وہ بھی قتل کر دیا جاتا ہے۔ بازار میں مارا جاتا ہے حتیٰ کہ ہماری مساجد محفوظ نہیں۔ نماز پڑھنے جاتا ہے قتل ہو جاتا ہے کون کرتا ہے۔ اپنی ہی قوم کے طبقے ہو گئے ہیں۔ شیعہ ہو گئے ہیں، گروہ گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک دوسرے کو قتل کئے جا رہے ہیں يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا یہ سزا ہے کہ تمہیں گروہوں میں بانٹ دیا جائیگا۔ مختلف گروہ بن جائیں گے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ بعض تم میں سے ہر ایک

ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو جائیگا اور اپنے سارے وسائل لیکر اس کو قتل کرنے کو چڑھ دوڑے گا۔ یہ عذاب الٰہی ہے اور یہ ہے۔ حضور کے اتباع چھوڑنے کا نتیجہ۔

اب اس کے بڑے حل بتائے جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے فلاں سے مذاکرات کریں، کس سے مذاکرات کریں، بھئی کوئی ایک ایسا بندہ ہے جو اس ساری دہشت گردی کو کنٹرول کر رہا ہے۔ یعنی مذاکرات کرو کس سے کرو کوئی ایسا بندہ ہو تو جس سے آپ مذاکرات کریں اور وہ ساری دہشت گردی کو کنٹرول کر لے ایسا تو کوئی بھی نہیں ہر ایک کے پاس ایک ایک گروہ ہے کتنے گروہوں سے مذاکرات ہونگے۔ تو سیدھا سا ایک راستہ ہے وہ ہم کیوں نہیں اختیار کرتے کہ ہم توبہ کریں اور دامن پیغمبرؐ کو تھام لیں اپنی زندگی کو حضور ﷺ کی زندگی کے سانچے میں ڈھال لیں۔ اللہ ہمیں اس عذاب سے نجات دے دے۔ عذاب کا علاج توبہ ہوتی ہے۔ مذاکرات نہیں ہوتے عذاب الٰہی جب آتا ہے۔ تو اس کا علاج ہوتا ہے کہ اجتماعی طور پر توبہ کی جائے۔

پرسوں میں سن رہا تھا ہمارے وزیر اعلیٰ پنجاب تقریر فرما رہے تھے۔ مجھے حیرت بھی ہوئی، خوشی بھی ہوئی، بڑے زور سے کہہ رہے تھے کہ ہم قرآن اور سنت کا نظام لائیں گے۔ اس نظام کو ہم بدل دیں گے۔ چودہ سو سال پہلے کا نظام ہم لائیں گے۔ الحمدللہ بڑی اچھی بات ہے خوشی بھی ہوئی اور ڈر بھی لگا کہ جب حکمرانوں پر بوجھ آتا ہے تو ایسی باتیں کرتے ہیں۔ جب لوگ ساتھ مل جاتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ یار یہ کام مشکل ہے یہ ہمارا تجربہ ہے ہم سے ایسی باتیں ہوتی رہی ہیں۔ میرا خیال یہ ہے جتنے حکمران پاکستان میں گزرے ہیں میری ذاتی رائے کے مطابق کردار کے اعتبار سے سب سے بہتر ضیاءالحق صاحب تھے۔ انہوں نے بھی کہا تھا کہ مجھے ووٹ دو پانچ سال کے لئے میں صدر بن جاؤں گا اور اسلام نافذ کرونگا۔ ووٹ مل گئے۔ ریفرنڈم یہی تھا کہ کیا تم چاہتے ہو اسلام نافذ ہو یا نہ ہو؟ ہاں کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام نافذ بھی ہوگا اور میں پانچ سال صدر بھی رہوں گا۔ تو پھر کون اس پرچی پہ نہ لکھتا جس پہ لکھا ہو کہ اسلام نافذ کرنا چاہتے ہو کہ نہیں۔ اس پر انہیں ووٹ تو مل گئے بعد میں انہوں نے یہی فرمایا اب آدھا کام تو ہو گیا میں صدر تو بن گیا باقی آدھا نفاذ اسلام والا کام مشکل ہے۔ وہ نہیں ہوسکتا۔ تو ففٹی پرسنٹ تو کام میں نے کر دیا۔ تو اب کیا خبر وزیر اعلیٰ صاحب کی بات بھی وہ ففٹی پرسنٹ پر آ کے نہ رک جائے۔ اسلام کا ظہور جب ہوا تو دنیا میں کہیں نہ کوئی انصاف تھا۔ نہ عدالت تھی، نہ امن تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اہل روم نے عدالتیں بنائیں اور تاریخی اعتبار سے Historically کہا جاتا ہے۔ کہ دنیا کو مہذب دنیا کو قانون اور یہ عدالتیں یہ نظام Roman رومن نے دیا۔ رومن نے عدالتیں کیا دیں؟ یہ کہ کسی شخص کے خلاف کسی اہلکار نے شکایت کر دی کہ وہ پکڑا گیا۔ ایک شخص نے جرم کیا اس کا سارا خاندان پکڑ کر لے آئے۔ بیویاں، بچے، بزرگ سارے لے آئے اس کی بات تو کسی نے سنی نہیں نہ اسے بولنے کا حق ہے نہ اس کا وکیل ہے نہ کوئی دلیل ہے۔ اب عدالت میں آ گیا اب جو جج کی مرضی وہ کر جائے اور

سزائیں یہ تھیں کہ اسے بھوکے درندوں کے سامنے ڈال دو اور تماشہ دیکھو۔ اسے آئین و دستور کہا جاتا ہے اور آئین کے بانی انہیں کہا جاتا ہے۔ اور یہی عالم روئے زمین کا تھا جب ظہور اسلام ہوا نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرد کے حقوق متعین کئے۔ بچے سے لے کر بوڑھے تک مرد سے خواتین تک اور صرف متعین نہیں کئے بلکہ عملاً نافذ کر کے ایک ریاست بنا کے دنیا پر ان کو نافذ کر کے عملاً ان کے نتائج سے انسانیت کو بہرہ ور کر کے آپ نے پردہ فرمایا اور بڑے تھوڑے عرصے میں صحابہ کرامؓ نے اسے روئے زمین پر دنیا میں پھیلا دیا اور معلوم دنیا کے تین حصے فتح کر کے ایک ریاست بنا دی اس کے بعد اقوام مغرب نے یہ دیکھا ایمان تو وہ نہ لائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے نہ مانا لیکن انہوں نے کہا کوئی بات اس طرز زندگی میں ہے کہ اتنی مخلوق جسے یہ فتح کرتے ہیں وہ بجائے غلام بننے کے مسلمان بن جاتی ہے ان کے ساتھ مل جاتی ہے کوئی ایسا نظام ان کے پاس ہے جو لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہے انہیں آرام دیتا ہے سب لوگ ان کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں تو نظام اسلام سے خوشہ چینی کر کے انہوں نے اپنے بنائے کہ انسانی حقوق کیا ہیں؟ بچوں کے کیا ہیں؟ خواتین کے کیا ہیں؟ مردوں کے کیا ہیں؟ ہر عمل کے دو نتیجے ہوتے ہیں۔ ایک دنیا میں، ایک آخرت میں۔ اُخروی نتیجہ بہتر کرنے کے لئے ایمان شرط ہے۔ لیکن دنیاوی نتیجے کیلئے ایمان شرط نہیں ہے۔ اچھی دوا کافر کو بھی دو اسے شفا ہوگی۔ اچھا کھانا اسے بھی دو صحت مند ہوگا۔ اچھا پانی اسے بھی دو اس کی پیاس بجھ جائے گی اب اس کا نتیجہ آخرت میں کیا ہوگا؟ اس کے لئے ایمان شرط ہے آخرت پر ایمان نہیں تو سزا پائے گا۔ اب دنیائے کفر کے مغرب ہو یا مشرق ہو وہ طریقے دیکھ لیں جو انہوں نے حکومت میں تجارت میں سیاست میں مختلف شعبوں میں اپنائے جو قبل اسلام نہیں تھے جو انہوں نے مسلمانوں سے لئے ان شعبوں میں وہ دنیا میں ترقی کر گئے۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم نے دین کو چھوڑ دیا اور ہم نے اپنے طریقے ایجاد کرنے شروع کر دیئے اس لئے ہم مار کھا رہے ہیں۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے حکمران اگر اسلام نافذ کریں تو نورٌ علیٰ نور ہے لیکن اگر اتنا حوصلہ نہیں تو انسانوں کو، رعیت کو، عوام کو وہ حقوق تو دیں جو غیر مسلم اقوام کو مل رہے ہیں اتنے انسانی حقوق تو دیں۔ یہاں تو وہ بھی نہیں مل رہے۔ یورپ میں، برطانیہ میں، سکینڈے نیویا میں، جاپان میں، چین میں عام آدمی کو جو حق مل رہا ہے وہ تو دیں۔ تو بھی یہ بدامنی بڑی حد تک کم ہو جائے لیکن اگر حکمران نہیں کرتے تو کیا ہم بھی ویسے ہی ہو جائیں۔ ہم بھی حکمران ہیں یہ وجود ہماری سلطنت ہے۔ ہم اس پر تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو نافذ کریں کچھ تو کریں۔ فرمایا: کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (الحدیث) تم میں سے ہر ایک حکمران ہے۔ اپنا بدن تو اس کی ریاست ہے کسی کا خاندان تو اس کے ماتحت ہے۔ کسی کی بات محلّہ سنتا ہے، کسی کی بات ہزاروں، لاکھوں لوگ سنتے ہیں۔ تو جہاں تک جس کی بات سنی جاتی ہے وہاں تک وہ حکمران ہے اور اس کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اس کے بارے میں انہیں کیا بتایا؟ کیا سمجھایا؟ کیا کرنے کا حکم دیا؟ ہم انفرادی طور پر بھی اتباع نبوت شروع کر دیں تو الحمدللہ اس سے

بہت سی قومی بیماریوں کا علاج ہوسکتا ہے۔اس کے طفیل بھی کچھ نہ کچھ بہتری ہوگی کچھ نہ کچھ کمی آئے گی کیونکہ میرے اندازے کے مطابق پاکستان کی آبادی 21 کروڑ کے لگ بھگ ہے جسے حکمران 16 کروڑ کہتے ہیں اور یہ ہماری عجیب بد قسمتی ہے کہ کبھی حکومت کے پاس شمار ہی پورے نہیں ہوئے جو پراجیکٹ بنتے ہیں وہ 16 کروڑ کی آبادی کے لئے بنتے ہیں کھانے والے اکیس کروڑ ہیں۔ وہ کوئی بھی مکمل سروے سے نہیں ہو پاتے۔ ہمارا جو حکومتی طریقہ ہے خانہ شماری اور مردم شماری کا وہ اتنا ناقص ہے کہ بیشمار ایسے خانے ہیں جن تک کوئی جاتا ہی نہیں۔گھروں کو کوئی گنتا ہی نہیں بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کا کوئی گھر ہے ہی نہیں۔ یہاں ہمارے دیہات میں ہی دیکھ لیں جنگلوں میں کہاں تک لوگ پڑے ہیں کون ان کی خانہ پری کے لئے جاتا ہے دو چار گاؤں کے گھروں پر نمبر لگا دیئے، شہروں میں کراچی، لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد، گوجرانوالہ یہ جو بڑے بڑے شہر ہیں۔کوئٹہ وغیرہ ان میں بے شمار ایسی مخلوق ہے جن کے آنے کا بھی کوئی پتہ نہیں لگتا کہ کتنے آج کراچی آئے ہیں اور کتنے آج کراچی سے چلے گئے ہیں۔کوئی کسی کو پتہ نہیں تو تین تین گناء ان کی آبادی ہے شائد حکومتی کاغذات میں وہ ایک کروڑ ہے۔عملاً تین کروڑ بندے وہاں رہتے ہیں عجیب تماشہ بنا ہوا ہے۔تو میرا عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد سولہ کروڑ کی آبادی کا حصہ ہے ہر فرد پاکستان کی آبادی کا ایک حصہ ہے۔بیس کروڑ ہیں تو ہم میں سے ہر ایک بیس کروڑ واں حصہ ہے پاکستان کا۔ملک زمین سے اور جغرافیے سے نہیں بنتے۔ملک افراد سے بنتے ہیں۔قومیں افراد سے بنتی ہیں اور ملک قوموں سے بنتے ہیں ہر فرد ایک پاکستان ہے تو یہ پاکستان جسے اللہ نے میرے قبضے میں دے رکھا ہے میں اس پر تو اسلام نافذ کروں۔ جب دوسروں کو کہتا ہوں سب یہ کرو۔تو میں خود تو کروں اور مجھے یہ یقین تو نصیب ہو کہ میرا رزق اللہ کے پاس ہے اور میرے ذمہ جائز محنت کرنا ہے۔رزق کے لئے محنت کرنا سنت ہے،فرض ہے،حکم ہے۔حصول رزق حلال کے لئے محنت کرنا فرض ہے۔مجھے وہ اپنا فرض ادا کرنا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو بال بچوں کو کھانا کھلاتا ہے، بیوی بچوں کو۔وہ بھی اس کا صدقہ شمار ہوتا ہے۔عرض کیا یارسول اللہ ﷺ صدقہ تو عبادت ہے تو بیوی بچوں کو پالنا تو اس پر فرض ہے۔وہ نان ونفقہ تو اس کے ذمے ہے تو فرمایا فرض کا پورا کرنا ہی تو عبادت ہے۔فرض پورا کرتا ہے،اللہ کے احکام کو پورا کرتا ہے تو یہی تو عبادت ہے تو شریعت کے مطابق محنت مشقت کریں گے تو عبادت ہوگی رزق تو اللہ نے دینا ہے۔تعلقات کو بہتر رکھنا ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنا اپنے علاوہ دوسروں کا بھلا چاہنا یہ ساری وہ باتیں ہیں جو ہم میں سے ہر ایک کر سکتا ہے اور ہر فرد ذاتی طور پر تو شروع کرے اس چھوٹے سے حصے کو تو اسلامی ریاست بنادے اللہ کرے یہ بڑھتے بڑھتے سارے ملک کی اصلاح ہو جائے سوائے اتباع سنت کے امن کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ یہ جن اقوام مغرب کی میں نے بات کی ہے ان کو بھی دیکھ لو جہاں جہاں انہوں نے اللہ کے دین کو چھوڑا ہے عملی زندگی میں ایمان تو انہیں نصیب نہیں۔عملی زندگی میں اپنایا ہے وہاں وہ اطمینان سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور جہاں جہاں چھوڑا ہے وہاں

بدحال ہیں۔ مثلاً انہوں نے سودی نظام کو نہیں بدلا سودی معیشت کے نتیجے میں آج بھی لندن میں بھی نیویارک میں بھی باقی ممالک میں بھی ہر شہر میں اتنے لوگ ہیں جو فٹ پاتھوں پر اور پلوں کے نیچے رات بسر کرتے ہیں امیر امیر تر ہو گئے ہیں، غریب غریب تر ہو گئے۔ مرد اور عورت کے تعلقات میں انہوں نے اسلام کا اتباع نہیں کیا آج باپ بیٹی کو اور بھائی بہن کو برائی سے نہیں روک سکتا آج وہ اس سے خود تنگ ہیں اور وہ اب اس سے واپس نہیں آ سکتے۔ سوائے توبہ اور اصلاح احوال کے مسکرات کے بارے میں انہوں نے اتباع نہیں کیا یہاں بھی وہ تنگ ہیں اور خود بیزار ہیں، پریشان ہیں۔ جہاں جہاں انہوں نے اسلام سے ہٹ کر راہ اختیار کی وہ بھی ذلیل وخوار ہیں۔ ان کی معیشت بھی بیٹھ رہی ہے اسی سود کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے ممالک ڈوب گئے تو حتمی راستہ نبی امی ﷺ کا بتایا ہوا ہے تو میرے بھائی محنت کرو، مجاہدہ کرو۔ اس سارے مجاہدے اس ساری محنت کا حاصل وہ یقین محکم ہے وہ غیر متزلزل یقین ہے جو ہمیں اتباع رسالت ﷺ پر کاربند ہے اور اپنا محاسبہ کیا کرو دیکھو کہ ہمارا آج جو ہے ہمارے کل سے بہتر ہونا چاہیے۔ کچھ چیز ہمیں حاصل ہونی چاہیے۔ ہماری ساری دولت جو ہم اس دنیا میں حاصل کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نے کتنا اتباع کر لیا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ہی بڑی دولت ہے اور مقصد حیات یہی ہے۔ اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

دعائے مغفرت

1 خرم ایاز (گوجرانوالہ) کے والد محترم
2 گوجرہ کے ساتھی محمد رمضان اور حافظ ذوالفقار کے سسر
3 سلسلہ کے ساتھی غلام سرور شکارپور سندھ کے بھائی
4 سپیشل کلاس (لاہور) کے ساتھی عبداللہ کبیر کی والدہ ماجدہ
5 سپیشل کلاس (لاہور) کے ساتھی عبدالرحمٰن جج کی والدہ ماجدہ
6 سلسلہ کے ساتھی عبدالقدیر جونیئر (کوئٹہ) کی والد محترم
7 سلسلہ کے ساتھی عارف حسین شاہ (لاہور) کے والدہ ماجدہ
8 ہری پوری کے ساتھی ذوالفقار کی والدہ ماجدہ
9 سلسلہ کے ساتھی قاضی عبدالحمید (چکوال) کی والدہ ماجدہ
10 سلسلہ کے ساتھی حاجی شیر محمد یوسف (مریدکے) اور شاہد یوسف/ عابد یوسف کے والد محترم
11 سلسلہ کے ساتھی وقار ظفر (پاکپتن) کے والد محترم
12 سلسلہ کے ساتھی فیاض احمد (سخی سرور) کے والد محترم اور بھائی
13 سلسلہ کے ساتھی عبدالحمید (موڑ ایمن آباد گوجرانوالہ) کے والد محترم
14 سلسلہ کے ساتھی محمد وسیم (نوشہرہ) کے والد محترم
15 سلسلہ کے ساتھی افضل خان اور نور خان کے سسر (ڈسکہ)

ان سب کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضرورت رشتہ

سلسلہ کے ساتھی کیلئے ایک لڑکی کا رشتہ درکار ہے

کوائف لڑکا: عمر 31 سال

تعلیم MSC میتھ (MATH) برسر روزگار

لڑکی کا سلسلہ عالیہ کے ساتھ منسلک اور راولپنڈی کے گردو نواح سے ہونا ضروری ہے

برائے رابطہ: 0321-8501881

بقائے عالم، ذکرِ الٰہی

امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی 13 دسمبر 2009 ماہانہ اجتماع بمقام: دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

الحمد لله، الحمدلله رب العلمين والصلوٰة والسلام على حبيبه محمد و آله واصحابه اجمعين۔

اعوذ بالله من الشيطن الرجيم O بسم الله الرحمن الرحيم

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

مولا یاصل وسلم دائما ابدا

علی حبیبك خیر الخلق كلهم

ارشاد باری ہے: انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے جماعت انبیاء كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ پاکیزہ غذا کھائیے وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اور اچھے کام کیجئے۔ اس لئے کہ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ اللہ ذاتی طور پر تمہارے ہر عمل کو جانتا ہے۔ اس کا علم رکھتا ہے۔ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور یہی طریقہ واحد طریقہ ہے تمام انبیاء کے لئے۔ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ اور میں تم سب کا پالن ہار ہوں فَاتَّقُوْنِ تو میرے ساتھ بنا کر رکھو۔

ان آیات مبارکہ کا یہ سادہ سا ترجمہ ہے۔ یاد رہے کہ نبی اور رسولؑ تخلیقی طور پر معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ عصمت خاصۂ نبوت ہے جس ہستی کو نبوت عطا ہوتی ہے اسے عصمت بھی عطا ہوتی ہے اس سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ انبیاء، اللہ کریم کی طرف سے معیارِ اطاعت بنائے جاتے ہیں اگر وہ خدانخواستہ غلطی کریں تو ساری اُمت اس غلطی کو عبادت سمجھے گی غلطی کو غلطی نہیں سمجھے گی لہٰذا نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ انبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہوتا لیکن صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد اہل اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی گناہ سے حفاظت فرماتا ہے محفوظ اور معصوم میں یہ فرق ہے کہ معصوم سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی اور جو محفوظ ہوتا ہے اس میں غلطی کرنے کا امکان موجود ہوتا ہے لیکن اللہ کریم اس کی حفاظت فرماتے ہیں اسے غلطی سے بچاتے ہیں اور اگر کچھ خطا ہو جائے تو وہ رجوع الی اللہ کرتا ہے توبہ نصیب ہوتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو معصوم عن الخطا ہوتے ہیں تو پھر انہیں حلال اور طیب غذا کا حکم دیا جا رہا ہے۔ طیب کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تو وہ رزق حلال ہوگا جائز ذرائع سے آئے گا اور دوسرا یہ ہوگا کہ وہ پاکیزہ بھی ہوگا کسی ناپاک یا ناجائز چیز کی ملاوٹ اس میں نہیں ہوگی۔

فرمایا: وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور اچھے کام کرو تو دراصل یہاں ایک اصول بیان فرمایا گیا ہے جس طرح اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی ملک میں ایک قانون لاگو کیا جائے اور کہا جائے کہ اس سے ملک کا صدر یا وزیر اعظم بھی مستثنیٰ نہیں اس پر بھی لاگو ہوگا تو اس سے مراد یہ

ہوتا ہے کہ پھر ملک کا کوئی شہری بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ تو جب انبیاء عَلَیْھِمُ الصلوۃ والسلام کے لئے یہ قانون ہے تو کسی اُمت کا کوئی اُمتی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ سب کے لئے ہے عمل صالح کو اللہ نے مربوط کر دیا طیب غذا سے کہ وہ حلال بھی ہو اور پاکیزہ بھی ہو حرام کما کر یا ناپاک کھا کر نیک عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے اعمال کی اصلاح کے لئے بنیادی طور پر ہر غذا کا حلال پاکیزہ اور طیب ہونا ضروری ہے اور اعمال کی اہمیت یہ ہے کہ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ہر عمل کو رب کریم خود دیکھ رہا ہے وَ اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً یہ طریقہ کہ حلال کھاؤ اور اللہ کی اطاعت کرو یہ وہ بنیادی طریقہ ہے جسے تمام نبیوں، تمام رسولوں نے ارشاد فرمایا یعنی ہر امت میں جہاں تک عقائد کی بات ہے تو وہ آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک تمام انبیاء نے وہی عقائد بیان فرمائے۔ ایک ہی عقیدے پر سب متفق تھے۔ اللہ کا وحدہٗ لاشریک ہونا، اس کا رب العالمین ہونا، اس کا ہر چیز پر قادر ہونا، فرشتے، ملائکہ، آخرت، حساب کتاب، حیات بعد الموت، عذاب وثواب یہ ساری چیزیں جو ضروریات دین ہیں تمام انبیاء عَلَیْھِمُ الصلوۃ والسلام اس پر متفق ہیں۔ وقت اور زمانے کے اعتبار سے احکام میں تبدیلی آتی رہی جیسے اوقات نماز یا تعداد کسی پر دو نمازیں فرض ہیں، کسی پر پانچ ہوئیں، روزے کا طریقہ کسی اُمت کا الگ تھا، دوسری کا الگ ہو گیا تو احکام وقت کے اعتبار سے لوگوں کی استعداد کے اعتبار سے تبدیل ہوتے رہے۔ لیکن اطاعت اسی طرح لازمی رہی جس طرح روزِ اول سے تھی۔ عقائد خبر ہیں اللہ کا نبی جنت، دوزخ، آخرت، فرشتوں کے بارے میں اطلاع دیتا ہے اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں خبر دیتا ہے اور یاد رکھیں خبر تبدیل نہیں ہوتی اگر تبدیل ہوا ور ایک واقعہ کے بارے دو خبریں آئیں تو دونوں سچ نہیں ہوتیں دو میں سے ایک غلط ہوتی ہے ایک سچی ہوتی ہے لہٰذا عقائد کے معاملے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ احکام وقت کی مناسبت سے ہوتے ہیں ایک وقت میں ایک کام مناسب ہے دوسرے میں دوسرا مناسب ہے تو احکام بدلتے رہتے ہیں۔ تو جب شریعتیں تبدیل ہوئیں تو احکام تبدیل ہوئے، نیا نبی آیا، نئی کتاب آئی، نئے احکام آگئے، پرانے بدل گئے لیکن حضور اکرم ﷺ جب مبعوث ہوئے تو حضور اکرم ﷺ کی بعثت تکمیل نبوت ہے ہمارے یہاں ایک اصطلاح ہے ختم نبوت کیونکہ یہ اصطلاح قرآنِ حکیم کی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (سورۃ الاحزاب)

حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں تو ختم نبوت کی اصطلاح قرآنی اصطلاح ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت پر تکمیل نبوت ہوئی ہے حدیث میں اس کا مفہوم جس طرح واضح فرمایا وہ یہ ہے کہ فرمایا نبوت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہترین عمارت ہو، شاندار عمارت ہو۔ اس میں کسی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو اور کوئی شخص اسے دیکھے اس کے ارد گرد گھوم کر دیکھے اور کہے کہ یہ جگہ خالی ہے یہاں ایک اینٹ لگنی چاہیے۔ تو فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں۔ میری بعثت سے وہ عمارت مکمل ہو گئی۔ جھوٹے مدعیان نبوت نے اور کذابوں نے تاویلیں گھڑی ہیں کہ ختم سے مراد تو مہر ہے اور آپ کی مہر سے آگے نبی بن سکتے ہیں اس کی تردید اس حدیث مبارکہ سے ہو گئی اور حضور اکرم ﷺ نے اس وقت فرما دی کہ ختم نبوت سے مراد تکمیل نبوت ہے۔ نبوت مکمل ہو گئی اب اس میں مزید کسی نبی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بعثتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی بے شمار خصوصیات میں سے دوسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ ساری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے

مبعوث ہوئے۔ تیسری خصوصیت یہ تھی کہ تکمیل دین کا مژدہ جانفزا حضور اکرم ﷺ کو ملا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (سورۃ المائدہ 3) دین مکمل ہو گیا، اب قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ عقیدے میں تبدیلی تو پہلے بھی ممکن نہ تھی۔ اب قیامت تک کسی حکم میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور ساری انسانیت کے لئے وہی احکام ہونگے انسانی مزاج ایسا ہے کہ باوجود ناقص علم کے، باوجود ناقص سمجھ کے، باوجود ناقص شعور کے ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ جو میری آرزو، میری خواہش ہے اس پر عمل کروں۔ اپنی من مانی کروں۔ حالانکہ ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ ہمارا علم بھی ناقص ہے، ہمارا شعور بھی ناقص ہے، ہماری رائے بھی ناقص ہے اور زندگی میں ہمیں بارہا تجربات ہوتے ہیں بلکہ روزانہ تجربے ہوتے ہیں ایک جگہ ہم منافع کے لئے پیسہ لگاتے ہیں وہاں نقصان ہو جاتا ہے ایک کام ہم اپنی بھلائی کے لئے کرتے ہیں اس کا نتیجہ برائی نکلتا ہے اگر ہمارا علم کامل ہوتا ہمارا شعور صحیح ہوتا تو اس کا نتیجہ غلط کیوں آتا۔ دن بھر میں کتنی باتیں ہم کرتے ہیں جو غلط ثابت ہوتی ہیں اس کا مطلب ہے کہ ہمارا علم ہماری رائے، ہمارا شعور ناقص ہے۔ اس میں کمزوری ہے ہمیں سمجھ نہیں ہوتی اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے ہم خواہ مخواہ ایک رائے مقرر کر لیتے ہیں۔ انبیاء عَلَيْهِمُ الصلوۃ والسلام کا مقام عالی یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب اہل مکہ کو دعوت دی اور ایک قبیلے کو آواز دے کر صفا کے گرد جمع فرمایا تو صفا اس وقت بلند پہاڑی تھی موجودہ دور میں تو صفا مروہ پہاڑوں کا صرف نشان رہ گیا ہے یہ کافی بلند پہاڑیاں تھیں اور بیت اللہ شریف ایک ٹیکری پہ تھا اور اس کے گرداگرد بھی بہت گہرائی تھی تو جب سب جمع ہو چکے تو حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کہ تم پہاڑ کے دامن میں ہو اور میں چوٹی پر کھڑا ہوں تمہارے سامنے پہاڑ کی ایک طرف ہے لیکن میں چوٹی پر کھڑا ہوں میں اس کی دوسری طرف بھی دیکھ رہا ہوں اگر میں تمہیں کہوں کہ دوسری طرف ایک فوج ہے جو تم پر حملہ کرنے والی ہے تو تم کیا سمجھو گے؟ سب نے عرض کیا کہ آپ صادق بھی ہیں اور امین بھی ہیں پھر پہاڑ کا دوسرا رخ آپ ﷺ کے سامنے بھی ہے آپ اصلاح دیں گے تو ہم یقین کریں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی طرح زندگی کے بعد موت اور بعد الموت کے منظر کو بھی دیکھ رہا ہوں جس طرح تم زندگی کو دیکھ رہے ہو۔ یعنی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی شان یہ ہوتی ہے کہ دونوں عالم اس کے سامنے ہوتے ہیں وہ صرف کام سے ہی مطلع نہیں فرماتے بلکہ اللہ کے حکم سے کام کے نتائج اور انجام کی اطلاع بھی دے دیتے ہیں۔ اب جو ہستی کسی کام اور اس کے نتائج سے بھی آگاہ ہے اللہ نے اسے یہ عظمت دی ہے یقیناً اسی کی رائے، اسی کا حکم قابل عمل ہے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ بے شمار لوگ جو جمع تھے یہ دعویٰ کرنے کے بعد بھی کہ آپ صادق اور امین ہیں جو آپ بتلائیں گے ٹھیک ہوگا۔ جب آپ نے اللہ کی طرف دعوت دی تو وہ لوگ بھاگ اُٹھے۔ اپنی رائے پہ قائم رہے یہ سب جانتے ہوئے کہ پھر انسان کو یہ دھن سوار ہوتی ہے کہ میں جو چاہتا ہوں وہ کروں اس کا کیا علاج کیا ہے؟ اللہ کریم رب العالمین ہے اور رب کا معنی ہوتا ہے کہ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ ہر وقت پوری کرے اور وہ کرتا ہے انسان کی یہ بھی ضرورت تھی کہ اس کے پاس کوئی ایسی قوت ہو جو اسے اپنی رائے کو چھوڑ کر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کی تعمیل پر مجبور کر دے ورنہ وہ خود رائی کا شکار رہے گا۔ اللہ نے انبیاء کو یہ قوت دی کہ جو ان پر ایمان لاتا اس کے اندر ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی کہ وہ اپنی رائے چھوڑ کر نبیؐ کے حکم پر عمل کرنے کو اپنی جان سے بھی عزیز سمجھنے لگتا۔ یہ جو کیفیت ہے برکات نبوت سے حاصل ہوتی ہے یعنی جو کچھ نبی علیہ

الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا وہ تعلیمات نبوت ہیں اور یہ کیفیات برکات نبوت سے ہیں۔ اور اسی برکت کی وجہ سے صحابہؓ صحابہؓ قرار پائے۔ کسی عبادت، کسی مجاہدے، کسی چلہ کشی سے نہیں بلکہ صحبت نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے صحابہؓ کہلائے۔ ایسے بھی صحابہؓ ہیں کہ نماز فرض ہی نہیں ہوئی تھی کہ پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے، روزہ فرض بھی نہیں ہوا تھا اور ایسے بھی ہیں کہ جو نماز فرض ہونے کے بعد بھی ایک نماز بھی ادا نہیں کر سکے اور موت آ گئی۔ مثلاً خیبر کے مقام پر ہی ایک واقعہ ملتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خیبر کا محاصرہ فرمایا ہوا تھا۔ کئی دن گزر گئے ایک شخص خدمت عالی میں حاضر ہوا وہ خیبر کا رہنے والا تھا۔ حبشی غلام تھا اور سادہ سا شخص تھا۔ کسی یہودی کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہ لوگ اس محاصرے کی حالت میں بھی مال، مویشی، ریوڑ قلعے سے باہر لے جاتے شام کو لے آتے تو اس نے مالک سے پوچھا کہ بڑا عرصہ مجھے یہاں گزر گیا ہے یہ حال میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ہر بندہ تلوار لئے پھرتا ہے اور ہر بندہ تیاری کئے پھرتا ہے خود اور ذرہ پہنے پھرتا ہے پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا تو اس نے کہا کہ تم بہت سادہ اور بے وقوف ہو۔ تمہیں سمجھ ہی نہیں ہے ایک شخص نے جو مدینہ منورہ میں مقیم ہے اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نبی ہوں مجھے نبی مانو، میری اطاعت کرو ہم نہیں مان رہے تو اس نے فوج لے کر ہم پر چڑھائی کر دی ہے اور باہر ہمارا محاصرہ کیا ہوا ہے اور ہم مقابلہ کر رہے ہیں تو تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں۔ تو اس کے ذہن میں یہ سوال جاگزین ہو گیا کہ کسی بندے نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو کیوں کیا ہے؟ اس سے کیا ہو گا؟ وہ بکریاں لے کر باہر آیا تو وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت کی طرف چل دیا۔ لشکر اسلام میں پہنچا، صحابہؓ نے پوچھا تو اس نے کہا میں نے اُس ہستی سے ملنا ہے جو کہتا ہے میں نبی ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اسنے پوچھا مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک میں اللہ کا نبی ہوں۔ اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ سے بات ہو گئی۔ اگر آپ کو میں مان لوں تو میں بھی جنت چلا جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک! اس نے کہا میں تو بے وقوف آدمی ہوں۔ رنگ میرا سیاہ ہے، کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، میلے کچیلے ہیں بات کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ لوگ مجھے بے وقوف کہتے ہیں۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کریم تیری شکل بھی بڑی خوبصورت بنا دے گا، لباس بھی تجھے جنت کے دے گا، تجھے جنت میں لے جائے گا۔ اس نے کہا کہ جی یہ سودا تو منظور ہے۔ میں ایمان لاتا ہوں لیکن میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس امانت ہے اس شخص کی جس کا میں غلام ہوں اس کی بکریاں ہیں جو میں باہر لایا ہوں، اس کا کیا کروں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انہیں قلعے کی طرف ہانک دو یہ چلی جائیں گی اس نے ہانک دی اور سیرۃ نگار یہ لکھتے ہیں کہ سب بکریاں قلعے کے دروازے پر گئیں اور اندر چلی گئیں۔ اِدھر اُدھر کوئی بھی نہیں گئی۔ اسی وقت خیبر پر حملہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ اب وہ صحابیؓ بھی اسلحہ لے کر ساتھ ہو گئے۔ جب خیبر کے شہدا حضور اکرم ﷺ کے سامنے لائے گئے تو ان میں وہ صحابیؓ شہید بھی تھے۔ اب اس واقعہ میں پتہ چلتا ہے کہ انہوںؓ نے کلمہ طیبہ کے علاوہ کچھ نہیں سیکھا۔ نماز سیکھی نہیں، اگلی نماز کا وقت نہیں ہوا، کوئی نماز ادا نہیں کی، شہید ہو گئے۔ تو شہدا کو جب ایک صف میں رکھا گیا اور حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے تو جب وہ شہید سامنے آئے تو حضور اکرم ﷺ نے رُخِ انور پھیر لیا۔ صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے اس کی طرف سے رُخِ انور پھیر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے اسے بے پناہ حسن بھی دیا ہے اور دائیں بائیں دو حوریں

تھیں تو میں نے ادھر سے رُخِ انور پھیر لیا کہ یہ شرم و جھجک محسوس کرے گا کہ حضور اکرم ﷺ دیکھ رہے ہیں تو میں نے ادھر سے رُخِ انور پھیر لیا اور صحابہؓ یہ بات دہرایا کرتے تھے کہ کیسا عجیب آدمی ہے کہ جس نے ایک سجدہ بھی نہیں کیا اور سیدھا جنت میں چلا گیا۔ تو ایسے بھی حضرات تھے لیکن وہ بھی عظمت صحابہؓ سے بہرہ ور تھے، عظیم انسان تھے، صحابہؓ تھے۔ کوئی ان کے گرد پا کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ وہ کیفیت جو نبی کریم ﷺ سے برکات کے زمرے میں نصیب ہوتی ہے وہ انہیں نصیب ہوئیں۔ صحابیؓ کسی چلّہ کشی سے، یا مجاہدوں سے، وظیفوں سے نہیں بنے۔ اس کیفیت سے بنے اور نبیؑ کے ارشاد میں یہ برکت ہوتی ہے کہ جو ارشاداتِ نبوت قبول کرتا ہے اسے ساتھ وہ کیفیت بھی نصیب ہوتی ہے ارشاد نبوت مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہوئے تھے۔ ایک ہی ہستی زندگی کے تمام شعبوں کی سربراہ بھی تھی، رہبر بھی تھی، استاد بھی تھی۔ پھر آپ ﷺ کے عہد زریں کے بعد شعبے تقسیم ہوگئے ظاہر ہے پھر تو کوئی ایسی ہستی نہیں تھی۔ محدث، مفسر، فقہا شعبے بن گئے۔ فقہ کا، حدیث کا، تفسیر کا، تاریخ کا شعبہ بنا پھر آگے ان میں تفصیلات آئیں اور علوم ایجاد ہوئے صرف ایک حدیث کو صحیح رکھنے کے لئے تعلیمات نبوت کو سنبھالنے کے لئے مسلمانوں نے 17 سترہ علوم ایجاد کئے۔ صرف ونحو اور منطق اور اسماء الرجال کا ایسا شعبہ ایجاد کیا کہ آج بھی جتنے لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کی حدیث بیان کی ہے ان سب کے نام نامی آپ کو اسماء الرجال کی کتابوں میں مل جاتے ہیں اور صرف نام ہی نہیں، خاندان، حالات زندگی اور اہلیت و استعداد اور یہ بھی کہ ان کا حافظہ کیا تھا؟ کردار کیسا تھا؟ اسی طرح دوسرا شعبہ برکات نبوت کا بھی وجود میں آیا۔ یاد رکھیں! محفلِ نبوی میں مرد آئے صحابیؓ ہوگئے، خواتین آئیں صحابیہؓ ہوگئیں یعنی انسان کو علوم و برکاتؐ ملیں۔ صرف مردوں کو نہیں، صرف عورتوں کو نہیں ا، انسان جب بولا جاتا ہے تو اس میں عورت اور مرد دونوں شامل ہوتے ہیں۔ انسان مکلّف بنتا ہے۔ انسان کا حساب ہوگا۔ انسان کو جواب دینا پڑے گا۔ انسان جنت میں جائے گا یا دوزخ میں۔ عورت ہو یا مرد، عورتوں کی دوزخ الگ نہیں ہے۔ عورتوں کی جنت الگ نہیں ہے، مردوں کی الگ نہیں ہے، بحیثیت انسان مواخذہ ہوگا۔ برکات بھی، تعلیمات بھی بحیثیت انسان تقسیم کی گئیں۔ وصالِ نبی ﷺ کے بعد صحابہؓ میں بھی یہ قوت تھی جو ان کی صحبت میں بیٹھا، تابعی ہوگیا۔ تابعین میں بھی یہ قوت تھی۔ جسے صحبت نصیب ہوئی تبع تابعی ہوگیا۔ انسان کے زمین پر آنے سے لے کر جتنے زمانے انسانیت پر گزرے ان کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم او کماقال رسول اللہ** ﷺ سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر اس کے ساتھ جڑا ہوا یعنی صحابہؓ کا، تابعین کا، تبع تابعین کا، یہ تین زمانے **خیر القرون** بہترین زمانے کے لئے ہیں، اول و آخر۔

تو برکاتِ نبوت کا بھی ایک شعبہ بن گیا ایسے لوگ اللہ نے پیدا کئے جنہوں نے اپنے پہلوں سے یہ برکات ان کے سینوں سے اپنے سینوں میں لیں۔ اور اپنے سینوں سے اگلے سینے، اگلے دل روشن کئے۔ جس طرح عمل صالح کے لئے طیب غذا ضروری ہے اس طرح اس عمل صالح میں خلوص پیدا کرنے کے لئے یہ برکاتِ نبوت ﷺ اس سے زیادہ ضروری ہیں۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ حلال اور طیب کھانے کے لئے بھی بنیادی برکات بنتی ہیں جو شکم سیری کی طرف توجہ نہیں دیتیں بلکہ قلبی حیات کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور بندہ محض پیٹ بھرنے کے لئے نہیں کھاتا یا لذت کام و دہن کیلئے نہیں کھاتا۔ اس نظر سے کھاتا ہے کہ اس کا میری کیفیات قلبی پر اثر کیا ہوگا۔ یہ

نظام دنیا جو قائم ہے یہ بات تو آپ سب جانتے ہیں کہ ایک اندازہ ہے سورج کی گرمی کا، ایک اندازہ ہے سرد موسم کی سردی کا، ایک اندازہ ہے برسات کا، ایک اندازہ ہے خشک سالی کا، ہر چیز کو قدرت نے متوازن کر رکھا ہے ان میں سے کوئی چیز گھٹتی، بڑھتی ہے تو تباہی آجاتی ہے۔ یعنی اگر بارشیں بے پناہ ہوں گی تو سیلاب آجائے گا نہیں ہوں گی تو قحط سالی آجائے گی۔ تمازات آفتاب بے حد بڑھ جائے تو لوگ تڑپ کر مر جائیں۔ اور گھٹ جائے تو لوگ ٹھٹھر کر مر جائیں۔ رات لمبی ہو جائے تو کام کاج رک جائے۔ دن لمبا ہو جائے تو لوگوں کے آرام کا وقت گھٹ جائے۔ ہر چیز کا ایک اندازہ ہے ایک توازن ہے۔ قدرت نے ہر چیز کو ایک توازن پر رکھا ہوا ہے۔ اگر ظاہری اور مادی دنیا کا توازن رہے تو دنیا کا توازن رہے تو باطنی دنیا کا، روحانیت کا اور حقیقت کا بھی ایک توازن ہے۔ جتنا کفر و شرک بڑھتا ہے اتنے وزن کے لوگ دوسرے پلڑے میں بھی ڈالے جاتے ہیں تاکہ توازن رہے۔ جب کفر حد سے بڑھا تو انبیاء مبعوث ہو گئے۔ اب ایک نبیؐ ساری انسانیت کے گناہوں پہ بھاری ہے دنیا غرق ہونے سے تباہ ہونے سے بچ گئی۔ اسی طرح قیامت تک جہاں بے راہ روی کا، کفر و شرک کا سلسلہ جاری رہے گا وہاں آپ ﷺ کی برکات نبوت کی تقسیم بھی جاری رہے گی تاکہ ایک توازن رہے اور دنیا قائم رہے۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ اہل اللہ میں اعلیٰ مقامات کے حامل اور اپنے عہد کی قطب ارشاد تھے۔ اقطاب دنیا میں چار ہوتے ہیں۔ روئے زمین کی ساری انسانیت کے منتخب افراد ہیں ان چار میں سے ایک تھے۔ تو اپنی ایک تقریر میں فرماتے تھے کہ لاہوریو! یہ تم جو بڑی عمارتوں میں اور کئی منزلہ عمارتوں میں آرام کی نیند سوتے ہو اس کا سبب تمہاری عیاشی نہیں ہے اس کا سبب وہ شب بیدار لوگ ہیں جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو ان کی وجہ سے تمہارے یہ اعلیٰ مقام قائم ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو یہ تباہ ہو گئے ہوتے۔ یہ اسی توازن کی بات آپ کر رہے تھے کہ دوسری طرف اتنی نورانیت، برکاتِ نبوت، نورِ نبوت اللہ کریم اتنی تقسیم کرتے رہے ہیں کہ دنیا کا نظام balance رہے اور جب دنیا تمام ہو جائے گی اس کی عمر پوری ہو جائے گی تو اس کے بارے میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب ہوگی؟ فرمایا حتی لا یقال اللہ اللہ او کما قال رسول اللہ ﷺ فرمایا: جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا قیامت قائم ہو جائے گی۔ جب یہ برکات نبوت اٹھ جائیں گی تو پھر ظلمت ہی ظلمت ہوگی جو تباہی کا سبب بنے گی۔ زمین و آسمان پھٹ جائیں گے۔ سمندر بخارات بن کر اڑ جائیں گے۔ ہر طرف تباہی آجائے گی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ قیامت قائم ہو جائے گی تو یہ نعمت صحابہؓ اور صحابیاتؓ، عالم اور ان پڑھ، امیر اور فقیر سب میں بانٹی گئی۔ سب صحابیؓ بنے، تابعین میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ مرد تابعی بنے عورتیں نہیں بنیں، مرد و خواتین جنہیں صحابہؓ کی مجلسیں نصیب ہوئیں، تابعین بنے ان کی صحبت سے تبع تابعی بنے۔ جب تبع تابعین سے آگے ہم چلتے ہیں تو خواتین میں ہمیں کوئی نام نہیں ملتا اس کی ایک بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ خواتین صاحبِ مجاز یا صاحبِ سلسلہ نہیں بن سکتیں۔ اس لئے کہ کوئی خاتون نبی نہیں ہوئی۔ تو اس وجہ سے بھی خواتین کے نام نہیں ملتے کہ اگر کسی کو اللہ اللہ نصیب ہوئی بھی یہ کیفیات نصیب بھی ہوئیں تو بات اعلانیہ نہیں ہو سکی کہ وہ آگے صاحب مجاز تو نہیں بن سکتیں، صاحب سلسلہ تو نہیں بن سکتیں؟ دوسری بات یہ بھی ہے کہ پھر اتنی ہمت بھی کسی نے نہیں کی۔ بلکہ مردوں میں بھی تبع تابعین کے بعد

سے لے کر اب تک ہم دیکھیں بڑے بڑے عظیم نام ملتے ہیں، بڑے بڑے بلند مقام ہیں ان کے، بڑے بڑے بلند مناصب ہیں ان کے، ہم ان کی جوتیوں کی خاک بھی نہیں۔ ان کے مجاہدے، ان کا یقین، ان کا ایمان، ان کا کردار سورج کی طرح روشن ہے۔ ان کی دینی خدمات، اسکے باوجود ایک عجیب بات ہے کہ لاکھوں لوگ ان کے مرید ہوئے ان کو اعمال ظاہری پہ، عقائد پہ، وظائف پہ رکھا کہ اتنی منزل پڑھا کرو، اتنا درود شریف پڑھا کرو، لیکن کیفیات قلبی نہیں بتائیں۔ اللہ کی مرضی لیکن ایک بات یہ بھی کہ شاید ان لوگوں میں اسے برداشت کرنے کی قوت کم تھی۔ آج بھی کم ہے جب ہم اس تاریخ تصوف پر نظر ڈالتے ہیں تو چودھویں صدی کے آخر میں ہمیں حضرت رحمتہ اللہ تعالی علیہ کا نام نامی ملتا ہے جنہوں نے پھر سے اس سنت کو زندہ کر دیا کہ مرد، عورت، امیر و غریب، عالم و جاہل جو آئے اسے کیفیات قلبی سے آشنا کر دیا۔ میں نے کہیں یہ لکھ بھی دیا تھا اسرار التنزیل میں یا کہیں مجھے یاد نہیں تو ایک عالم کا خط مجھے آیا کہ یہ آپ کی عقیدت ہے آپ نے ایسا جملہ لکھا تو میں نے انہیں لکھا کہ میں نے یہ عقیدت کے اعتبار سے نہیں لکھا۔ تاریخی اعتبار سے لکھا ہے۔ آپ مجھے چودہ صدیوں میں کوئی نام نامی بتا دیں کہ جہاں آنے والے ہر شخص کو ذکر قلبی بتایا گیا خواہ آنے والا مرد ہو یا عورت ہو، عالم ہو یا ان پڑھ ہو۔ پھر ان کا کوئی جواب نہیں آیا عقیدت اپنی جگہ تاریخی حقائق اپنی جگہ ہیں اب یہ بہت بڑی عظمت ہے لیکن اس کے پیچھے وجہ وہی ہو سکتی ہے کہ برائی اتنی بڑھ گئی کہ balance رکھنے کے لئے اللہ کریم نے یہ نعمت عام کر دی اور یہ سعادت حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے حصے میں آئی کہ وہ اسے عام کریں اور حضرت نے بھی روز اول سے نہیں کی بلکہ 30 سال، 35 سال محنت کرنے کے بعد ورنہ حضرت بھی نہیں بتاتے تھے ابتداء میں بھی دو چار لوگ ہوتے تھے جب ہم بھی سلسلے میں آئے تو ہم دو چار لوگ ہوئے تھے۔ وعظ سب کو کرتے تھے، نصیحت سب کو کرتے تھے، تلقین سب کو کرتے تھے۔ لیکن اس طرف نام نہیں لیتے تھے یہ تو پھر بارگاہِ نبوی ﷺ سے ارشاد ہوا کہ اسے عام کریں تو حضرتؒ نے عام کیا۔ اب بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ بقائے عالم کا سبب یہ ذکر الٰہی ہے یہ صرف ایک فرد، ایک بندے کو قائم نہیں رکھتا جو ذاکر ہے بلکہ یہ اس کائنات کی بقاء کا سبب ہے اور جتنی برائی بڑھ گئی تھی اتنی اللہ کریم نے ذاکرین کی تعداد بڑھا دی۔

دنیا میں بعض عجیب باتیں ہوتی ہیں بالکل ہی ان پڑھ لوگ ہوں تو ان میں کسی کو پہلا قاعدہ بھی آتا ہو تو وہ عالم بنا ہوا ہوتا ہے۔ اندھوں میں کانا راجہ ہوتا ہے۔ یہ اس عہد کی برائی اور بدکاری نے ہمیں بھی نیک بنا دیا، ہم بھی نیک نظر آتے ہیں۔ اگر نیکوں کی صف میں کھڑا کیا جائے تو شاید ہماری جگہ بدکاروں میں بھی نہ آئے۔ لیکن یہ اللہ کا احسان ہے اس نے اس نعمت کو عام کرنا تھا، توازن قائم رکھنے کے لئے۔ اب جس دور میں ہم بیٹھے ہیں اسمیں بہنوں کے ساتھ بھائیوں کی بدکاری اور بیٹوں کے ساتھ ماؤں کی بدکاری زندگی کی روش بن چکی ہے۔ مائیں اور بیٹے بدکاری آپس میں کرتے ہیں بہن اور بھائی کرتے ہیں یہ زندگی کی روش بن چکی ہے۔ یہاں آپ کو یہ بات عجیب لگ رہی ہو گی لیکن مغربی معاشرے میں یہ عجیب نہیں ہے بلکہ یہ روزمرہ کی بات ہے جب برائی اس حد تک چلی گئی تو اللہ تعالی نے عالم اسلام میں حضور اکرم ﷺ کے غلاموں میں یہ نعمت اتنی عام کر دی کہ ہر کس و ناکس کو بھی نصیب ہو رہی ہے۔ اس اتنی لمبی تمہید کے بعد جو بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم

بھی کیا لوگ ہیں وہ بڑے مزے کا کسی کا شعر تھا کہ

اس درد کی دنیا سے گزر کیوں نہیں جاتے
یہ لوگ بھی کیا لوگ ہیں مر کیوں نہیں جاتے

مجھے یہ اس لئے یاد آیا کہ اگلے دن میرے پاس ایک خط آیا کہ میں فلاں مجلس میں گیا فلاں جگہ گیا کسی جلسے میں گیا تو ڈر رہا تھا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر جا رہا ہوں وہاں میں گیا تو میں نے باتیں سنیں تب مجھے احساس ہوا کہ اللہ کا ہم پر تو بہت بڑا احسان ہے اور جو اس سلسلے کے بارے میں شکوک تھے وہ رفع ہو گئے یہ پڑھ کر میرے دل کو بڑی ٹھیس لگی۔ کمال ہے یار تمہیں اللہ کے بارے شکوک تھے۔ یہ تو واحد سلسلہ ہے جس میں ہم کوئی عمل نہیں بتاتے ہم تو اللہ کا ذکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمل تمہیں شریعت پہ کرنا ہے جو عالم تمہارے پاس ہے اس سے مسئلہ پوچھ لو، جو شریعت ہے اس کے مطابق عمل کرو، پھر شک کس بات پر۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ایسے بندے کو تو مرجانا چاہیے۔ یہ بھی کیا لوگ ہیں مر کیوں نہیں جاتے۔ اللہ کے نام پر بھی شک ہے تو پھر یقین کس بات پہ ہے۔ عجیب بات ہے کہ کوئی تم سے چندے نہیں کرتا، کوئی تم پہ ٹیکس نہیں لگاتا، کوئی تمہیں غلط کام کرنے کا نہیں کہتا، کوئی تم سے غلط بات نہیں کرتا۔ بات اصلاح کی، عمل کی اور اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کی ہوتی ہے۔ کسی پیر خانے کی، کسی فرد کی اتباع کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے ساتھ ذکرِ الٰہی اور ذکرِ قلبی نصیب ہوتا ہے اور بندے کا نس نس، ذرہ ذرہ، ڈھائی کھرب سیل ذاکر ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی شک ہوتا ہے تو یقین کس بات پر ہوتا ہے اگر اس حبشی غلام کو شک ہوتا کہ مجھ کو جھلے، کملے کو یہ اللہ کا رسول ﷺ کہہ تو رہا ہے مجھے کون جنت جانے دے گا تو کیوں جان دیتا۔ یہ اس کا یقین تھا جو اسے جان کے نذرانے تک لے گیا۔ اور یہ شک سے بالا بات تھی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی میت کے ساتھ بھی دو حوروں کے ہونے کی گواہی دی۔ اس کے پاس اور تو کوئی عمل نہیں تھا سوائے یقین کے۔ تو میرے بھائی! اگر شک سے نہیں نکل سکتے تو اس پہ شک کرنا ایک اور جرم ہے اپنے خلاف فرد جرم بڑھانے کی بجائے چھوڑ دو اور اگر کرنا ہے تو شکوک کو چھوڑ دو۔ قرآن پاک کی پہلی آیت پتہ ہے کیا ہے؟ **ذلك الكتاب لاريب فيه** (سورۃ البقرہ 1) یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں ادنیٰ سے شک کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شک سے خالی ہو کر اس کا دروازہ کھولو۔ آگے بڑھنے تب لگو جب تمہیں یقین نصیب ہو۔ یقین نہیں ہے تو پھر تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور حیرت کی بات ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جسے ایک محفل ذکر نصیب ہوئی ہو اور اس کے کردار میں مثبت فرق نہ آیا ہو۔ ہر بندہ دوسرے دن بایزید بسطامی نہیں بن جاتا۔ لیکن یہ ضرور ہوتا ہے کہ اگر سو گناہ کرتا تھا تو ایک ملاقات کے بعد 99 پہ ضرور آ جاتا ہے۔ اور یہ ہر بندے کے ساتھ ہوتا ہے پھر شک کس بات کا یہاں ایمان بھی یقین ہی کا نام ہے اور وہ جو مصرعہ ہے۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم

یقین نصیب ہو تو عملِ پیہم نصیب ہوتا ہے۔ اور عمل نصیب ہو تو انقلاب آفرین شخصیت بنتی ہے۔ بندہ اپنا قلب و باطن پاک کر لے، یقین کی دولت سے مالا مال ہو تو پھر اپنا آپ بھی بدل سکتا ہے اور یہ اللہ کریم کا احسان ہے اس عہد کی یہ ضرورت تھی۔ برکاتِ نبوت، نظامِ کائنات کو balance رکھنے کے لئے،

اس دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے اس عہد کی ضرورت ہے۔ ہم سے زیادہ پڑھے لکھے، ہم سے زیادہ خوبصورت، ہم سے زیادہ دانا، ہم سے زیادہ پرہیز گار لوگ اس دنیا میں موجود ہیں۔ اللہ کا انتخاب کا اپنا طریقہ ہے اس نے ہم پر کرم فرمایا اور ہمیں یہ نعمت عطا کر دی۔ تو اگر 6 ارب کی آبادی میں اس نے گنتی کے لوگوں کو، چند سو کو یہ دولت بخشی ہے اور اس میں اتنی برکات رکھی ہیں کہ وہ ان دونوں پلڑوں کو برابر رکھے ہوئے ہے تو پھر اس پر کتنا شکر ادا کیا جائے۔ یہ میرا آپ کا کمال نہیں ہے اس کا اپنا نظام ہے۔ یہ اس کی عطا ہے وہ جسے چاہے اس جگہ لگا دے۔ معمار کے لئے تو ساری اینٹیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ کسی کو توڑ کے لگاتا ہے، کسی کو چھان پھٹک کر لگاتا ہے، کسی کو کھانے کے کمرے میں لگاتا ہے، اور کسی کو باتھ روم میں لگا دیتا ہے اس کی اپنی تقسیم ہے۔ ماہر کاریگر اپنے طے شدہ فیصلوں سے سوچ سمجھ کر جانتا ہوا لگاتا ہے۔ اب اس کی اپنی مرضی کہ اس نے 6 ارب کی آبادی میں سے ہم 6 سو لوگوں کو یا 6 ہزار لوگوں کو اس کام پر لگا دیا۔ تو یہ اسکا اپنا فیصلہ ہے کہ 6 ہزار بھی ہوں تو 6 ارب کا توازن قائم رکھنے کی قوت انہیں دے دے۔ یہ اس کی عطا ہے، یہ اس کا احسان ہے بجائے اس کی قدر کرنے کے پھر اس میں بندے کو شک ہو۔ مجھے اس شخص کا یہ جملہ نیزے کی صورت لگا۔ سینے میں اٹکا ہوا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ہم کیسے لوگوں کے ساتھ محنت کر رہے ہیں لیکن ہم بھی کیا کریں ہماری مجبوری ہے ہمیں تو کرنا ہے۔ ہماری تو ذمہ داری ہے، پھنس گئے۔ اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہوتا ہے تو یہ ہزاروں لوگوں کو کون سنبھالے اور پھر اس عہد کے لوگ کہ جنہیں دنیاوی مفاد بھی نصیب ہوتے ہیں، اُخروی مفاد بھی نصیب ہوتے ہیں اور پھر وہ شک بھی کرتے ہیں کمال ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے۔ ہم کسی پر احسان نہیں کرتے۔ ہماری مجبوری ہے، ہماری نوکری ہے، ہم نے کرنی ہے۔ جو آئے گا اسے بتانا بھی ہے، سمجھانا بھی ہے، توجہ بھی دینی ہے اور ہمیشہ اس کے لئے دعا بھی کرنی ہے۔ اس پر احسان نہیں ہے یہ ہماری نوکری ہے۔ یہ ہمیں کرنا ہے اب وہ کیا کرتا ہے اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ لیکن یاد رکھیں! یہ بہت بڑی نعمت ہے بہت بڑی دولت ہے۔ اس پر شک نہ کریں اسے سنبھالنے کی کوشش کریں اپنے ساتھ قبر میں لے کر جائیں۔ آخرت میں ساتھ لے کر جائیں۔ اور دنیا میں اسے عام کریں۔ اللہ کی مخلوق کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے ان کی بھلائی کے لئے ان کی بہتری کے لئے آپ دوسروں کی بہتری چاہیں گے تو اسی میں آپ کی بہتری بھی اللہ فرما دے گا۔ ہمیشہ بھلائی اسی کو نصیب ہوتی ہے جو دوسروں کی بھلائی چاہتا ہے۔ بھلے لوگ وہ نہیں ہوتے جو دوسروں کا نقصان چاہیں۔ انہیں خود بھی فائدہ نہیں ہوتا وہ بھی نقصان ہی میں رہتے ہیں۔ بھلائی اسی میں ہے کہ دوسروں کی بھی بھلائی چاہی جائے۔ اور یاد رکھو! بندہ کسی سے نفرت کرتا ہو تو اس کی بھلائی نہیں چاہتا، نسل انسانی سے محبت کرو کہ اللہ کا بہترین شاہکار ہے اور اسے اللہ کے قریب لانے کے لئے محنت کرو۔ اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے محنت کرو، اس لئے محنت کرو ہم اس محنت کے مکلّف ہیں۔ آقائے نامدار ﷺ کا حکم ہے اور یہ ہمیں کرنا ہے اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ہمیں توفیق عمل ارزاں فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ہر شئے کی حیات اللہ کا نور

امیر محمد اکرم اعوان 25-07-2009 دارالعرفان منارہ، چکوال

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم O بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾

قرآن حکیم کے تصور حیات کے مطابق جسے نورِ ایمان نصیب ہے وہ زندہ ہے جس میں نور ایمان نہیں اس میں حیات نہیں ہے۔ اللہ کا انکار، اللہ کے ساتھ شرک، اللہ سے دوری یہ تمام چیزیں حیات سے بیگانہ ہیں۔ ایسا شخص اللہ کی دی ہوئی زندگی تو گزارتا ہے لیکن وہ ایک چلتی پھرتی قبر ہوتا ہے۔ اس کے پاس جسمانی زندگی ہوتی ہے۔ اس جسم میں اس کی روح زندہ نہیں ہوتی اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (سورۃ نور آیت 35) حیات کا تصور نور الٰہی سے ہے۔ ارض وسماء کی حیات کیا ہے؟ اللہ جل شانہٗ کی ذات، ارض وسماء میں جہاں حیات کی رمق ہے وہ اللہ کے نور سے ہے لیکن حیات کا تصور میرا اور آپ کا نہیں حیات کا جو تصور قرآن نے بتایا ہے وہ یہ ہے کہ اطاعت حیات ہے اور عدم اطاعت حیات سے محرومی ہے۔

مکلّف مخلوق چار قسم کی ہیں۔ فرشتے، شیاطین، جنات اور انسان۔ فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہیں جو ہمیشہ اطاعت کرتے ہیں لیکن ان کا مقام ومرتبہ وہی رہتا ہے جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہوا ہے۔ اس لئے فرشتے کے ساتھ نفس نہیں ہے اس نے صرف اطاعت ہی کرنی ہے۔ شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں یہ برائی اور غضب کی علامت ہیں مردود ہیں اور انہوں نے ہمیشہ برائی ہی کرنی ہے الاماشاء اللہ ان میں سے بہت ہی کم کسی کو ایمان نصیب ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے جو ساری عمر اس کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کے ساتھ شیطان پید ہوا ہوگا؟ فرمایا! ہاں لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ برکت نبی کریم ﷺ کی ہے۔ اس طرح کا ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ ایک نہایت ضعیف العمر شخص حضور اکرم ﷺ سے ملا اور

اس نے موسیٰ ؑ کا سلام پہنچایا آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ تم کون ہو؟ اس نے اپنا نام ابن ہیثم بتایا اور یہ بھی عرض کی کہ وہ ابلیس کی چوتھی پشت میں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم اس زمانے سے اس زمانے تک زندہ ہو؟ اس نے عرض کی کہ ہماری عمریں بہت ہوتی ہیں۔ اس نے عرض کی کہ وہ موسیٰ ؑ کی خدمت میں حاضر تھا آپ ؑ نے فرمایا تھا کہ اگر تم حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پاؤ تو انہیں میرا اسلام پیش کرنا تو وہ تب سے مسلمان چلا آرہا تھا پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ پر بھی ایمان لایا تو شیاطین میں بھی کسی کسی کو ایمان نصیب ہونے کے باعث یہ استثنائی صورت ملتی ہے۔ شیطان کو بھی اگر ایمان نصیب ہو جائے تو وہ اللہ کے نور سے زندہ تصور ہوگا۔ لیکن شیاطین کے ایمان لانے کے واقعات گنتی کے تین چار ہی پوری تاریخ میں ملتے ہیں۔

انسان کے ساتھ پیدا ہونے والے شیطان کو قرآن حکیم میں قرین شیطان کہا جاتا ہے۔ شیطاین کی عمریں چونکہ بہت طویل ہوتی ہیں تو انسان کے مرنے کے بعد وہ کہیں اور نہیں جاتا اسی کی قبر پر بیٹھا رہتا ہے اس کا حلیہ اور آواز ہو بہو مرنے والے جیسی ہوتی ہے۔ زندگی بھر اس کے ساتھ رہنے کے باعث اس انسان کے ہر عمل سے آگاہ ہوتا ہے جسے عامل حضرات ہمزاد کہتے ہیں۔ کچھ حاضرات کہتے ہیں کہ مغرب میں تو یہ ایک باقاعدہ فن ہے تو اہل مغرب ہوں یا اہل مشرق کے عامل یہ جو کچھ کرتے ہیں اور اس میں اگر کوئی حاضر بھی ہوتا ہے تو وہی قرین شیطان ہی ہوتا ہے چونکہ وہ اس کی ساری زندگی سے واقف ہوتا ہے۔ اس کے پچھلے حالات بتا دیتا ہے اس کا لب ولہجہ اور آواز بھی ویسی ہوتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ روح آ گئی ہے روح نہیں ہوتی وہی قرین شیطان ہوتا ہے جسے ہمزاد وغیرہ کہا جاتا ہے ورنہ روح تو اللہ کے حکم سے یا اللہ کی نعمتوں میں خوش ہوتی ہے اور یا اللہ کے عذاب میں گرفتار تو ارواح کو دنیا میں بلانا ممکن نہیں اگر کوئی ثواب پا رہا ہے تو ایسا کون ہے جو اس کے آرام میں خلل ڈالے اور اگر کوئی عذاب میں ہے تو ایسا کون ہے جو اللہ کے عذاب سے چھڑا کر دنیا میں لے آئے تیسری قسم کی مخلوق جنات ہیں۔ جنات ایمان لاتے ہیں۔ اطاعت کرتے ہیں۔ نیکی کرتے ہیں۔ تو انہیں بھی نور الٰہی سے اتنا حصہ ملتا ہے کہ وہ زندگی کو بھلائی سے گزار سکیں لیکن جنات کی نیکی پر جو اجر قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے وہ ہے **يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ** (سورۃ احقاف آیت 31) کہ تم اللہ کے عذابوں سے نجات پا جاؤ گے۔ جنات کے لئے جنت میں داخلے کا کہیں ذکر نہیں ملتا اس لئے کہ جنات میں نبوت نہیں ہے۔ نبوت صرف انسانوں میں ہے۔ معرفت الٰہی کا جو درجہ نبوت سے نصیب ہوتا ہے وہ کسی دوسرے طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ عظمت صرف انسانوں کے لئے ہے۔ اس طرح مکلّف مخلوق فرشتے اور شیطان کے درمیان میں جن اور انسان ہیں یہ بھلائی بھی کرتے ہیں خطا بھی کرتے ہیں ان چار کے علاوہ باقی ساری مخلوق مکلّف نہیں لہٰذا وہ فطری زندگی گزارتے ہیں جو کچھ انہیں فطرت نے دیا ہے وہ اسی پر زندگی بسر کر جاتے ہیں وہ ترقی اور تنزل سے مبرا ہوتے ہیں جیسے زمین و آسمان عرش قائم ہے، اللہ نے انہیں قائم رکھا ہوا ہے۔ کھیتیاں اناج اُگل رہی ہیں، درخت اُگتے

ہیں، پھل دیتے ہیں، بارشیں برستی رہتی ہیں۔ان سب کے ساتھ تائید باری ہوتی ہے۔ان سب کے ساتھ اللہ کا نور ہے جو ہر چیز کی حیات ہے اور ہر چیز کو زندہ رکھے ہوئے ہے غیر مکلّف مخلوق کے ساتھ تجلیات باری کا تعلق اتنا ہے جتنا وہ چاہتا ہے۔ اللہ کریم جتنا کام ان سے لینا چاہتا ہے وہ پورا کرتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں۔

مکلّف مخلوق کے ساتھ تعلق ابدی اور دائمی ہے جن میں فرشتے کا وجود ایسا ہے کہ وہ اطاعت تو کرتا ہے لیکن **وَ مَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ** (سورۃ الصافات آیت164) ہر ایک کے لئے ایک مقام معلوم ہے مقرر جگہ ہے اس سے آگے ترقی نہیں کر سکتے۔ جنات نیک ہوں تو وہ بھی نورِ الٰہی سے حصہ پاتے ہیں۔ مر کر عذاب سے بچ کر معدوم ہو جائیں گے آخرت میں پہنچیں گے تو فنا کر دیئے جائیں گے جنت ان کے لئے نہیں ہے کیونکہ جنات میں نبوت نہیں ہے۔ نبوت صرف انسانوں میں ہے۔ لہٰذا بواسطہ نبوت معرفت کا اعلیٰ درجہ انسانوں ہی کو نصیب ہوتا ہے یہ عظمت صرف انسانوں کے لئے ہے اگر وہ اس نور سے حصہ پالیں تو وہ اطاعت الٰہی کرتے ہیں انہیں ترقی نصیب ہوتی ہے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اعلیٰ مدارج تک پہنچ جاتے ہیں اور اگر اس نور سے محروم ہو جائیں تو وہ دنیا میں روحانی حیات کے حساب سے مردہ ہوتے ہیں اور جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ انہی حیوانی حیات کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ انسان میں ایک روح عالم امر سے ہے اور دوسری روح جانوروں جیسی ہے وہ حیات جسمانی ہے جسے عرفاً روح کہہ دیا جاتا ہے۔ خون میں بخارات کا ایک توازن ہوتا ہے اسے حرارت غریزی بھی کہتے ہیں۔ روح حیوانی ان بخارات سے بنتی ہے جس سے اجسام حرکت کرتے ہیں اس کا انحصار اجزائے بدن پر ہوتا ہے۔ یہ روح حیوانی مومن میں بھی ہے۔ کافر میں بھی ہے جب تک وہ دار دنیا میں زندہ ہے جب اجزائے بدن بکھرتے ہیں اور ان بخارات کی ترتیب صحیح نہیں رہتی تو وہ زندگی ختم ہو جاتی ہے جسے ہم موت کہہ دیتے ہیں اور جسے حیات روحانی نصیب ہوتی ہے وہ اس روح کے سبب سے ہے جو عالم امر سے ہوتی ہے وہ حیات جسمانی کے ختم ہونے پر بھی زندہ رہتی ہے اور ایسے شخص کے خاتمہ کو شہادت کہتے ہیں یعنی اس کی موت میں بھی حیات ہوتی ہے۔ جسم مرجاتا ہے لیکن قلب و لطائف سے زندہ رہتا ہے، روح زندہ رہتی ہے اور انعامات الٰہی سے سرفراز ہوتی ہے۔ ان انعامات کے بھی درجے ہیں اور ہر درجے کی اپنی انتہا ہے اپنی بلندی ہے جتنی کسی نے محنت کی اور جتنی کسی کو اللہ نے توفیق دی۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ارض وسماء میں حیات کا تصور نورِ الٰہی سے ہے۔ **يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ** جسے چاہتا ہے اسے یہ نعمت عطا کر دیتا ہے۔ ہدایت حاصل کرنے کی جگہ تک پہنچنے کی سبیل بنا دیتا ہے۔ اللہ تو وہ ذات کریم ہے کہ مخلوق اس نے خود پیدا کی ہے اس میں کسی کی شراکت نہیں، شکل وصورت خود بناتا ہے، مزاج خود عطا کرتا ہے۔ رزق خود دیتا ہے۔ مالک حقیقی صرف وہ ہے اگر وہ پیدا کرتے ہی یہ فیصلہ بھی کر دے کہ یہ جنتی ہے اور وہ جہنمی تو کسی کو اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب ہم مکان بناتے ہیں ایک کمرہ کھانے کے لئے ایک سونے کے لئے مخصوص کرتے

ہیں ساتھ ایک باتھ روم بھی بناتے ہیں اور غسل خانے کے فرش اور دیواروں پر کمرے سے زیادہ خوبصورت ٹائلیں لگاتے ہیں اب کوئی اعتراض نہیں کرسکتا کہ غسل خانہ سونے کے کمرے سے زیادہ خوبصورت ٹائلوں والا کیوں ہے؟ نہ ہی اینٹیں اور ٹائلیں اعتراض کرسکتی ہیں کہ انہیں غسل خانے کے فرش کا حصہ کیوں بنایا گیا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ مال ہمارا ہے، زمین ہماری ہے اب یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم کس مال کو کہاں لگاتے ہیں۔ کائنات بھی اسی کی اپنی ہے وہ جو چاہے فیصلہ کرے اسے حق حاصل ہے۔ بندے کو اعتراض کی گنجائش نہیں لیکن قادر مطلق ہونے کے باوجود اس نے یہ فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا ہے اور یہی بارامانت ہے جو اس نے انسان کو دیا ہے۔ مکلف مخلوق میں سے جو کارگہہ حیات کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے اپنے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اسے وہ ہدایت کے سامان پہنچا دیتا ہے۔ اسے اپنے نور تک رسائی دے دیتا ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے کہ **يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ** (الشوریٰ آیت 13) کہ جو رجوع کرنا چاہے گا اللہ اسے ہدایت دے دے گا **وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** (العنکبوت 69) جو میری راہ میں کوشش کرتے ہیں جو میرے لئے مجاہدہ کرتے ہیں جو میری ذات کے لئے محنت کرتے ہیں ان کے لئے میں بہت سے راستے کھول دیتا ہوں۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جو بندہ رضائے الٰہی کے لئے محنت کرتا ہے۔ رجوع الی اللہ کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت پر کمربستہ ہوجاتا ہے تو اس کے لئے اللہ کریم ایسے راستے کھول دیتے ہیں کہ اسے اپنے ایسے بندوں کے پاس پہنچا دیتے ہیں جو مقبول بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں جو اسے اللہ کی یاد پر لگا دیتے ہیں۔ تو اللہ نور السمٰوت والارض ہے۔ نور سے مراد حیات ہے اور جہاں نور نہیں ظلمت ہے وہاں حیات ناپید ہے وہاں صرف مادی اور جسمانی حیات ہے جو تمام نباتات، جمادات، حیوانات میں ہے اور ساری مخلوق میں ہے۔

آب و باد و خاک و آتش بندہ
بامن و تو مردہ با حق زندہ

یعنی اللہ کی وہ ساری مخلوق جو ہمارے لئے بے حس یا مردہ ہے وہ اس کے لئے بے حس یا مردہ نہیں وہ اس کا حکم سنتے ہیں۔ جواب عرض کرتے ہیں۔ حکم بجالاتے ہیں اس کی ساری مخلوق اس کے سامنے دست بستہ حاضر ہے۔ ہمارے لئے آگ ہوا، پانی، مٹی بظاہر بے جان ہیں کہ نہ مٹی بات کرتی ہے، نہ پانی، نہ آگ، نہ ہوا۔ لیکن یہ سب چیزیں اللہ کا حکم سنتی ہیں اور اس کی بجا آوری کرتی ہیں۔ اس نے پانی کی لہروں کو فرمایا کہ موسیٰؑ کا صندوق سلامتی کے ساتھ بہا کرلے جا۔ پھر اس نے نوحؑ کے زمانے کے پانی کے طوفان کو حکم دیا کہ روئے زمین کے کسی کافر ومشرک کو باقی نہ چھوڑ پھر زمین کو حکم دیا کہ اے زمین سارا پانی جذب کرلے تو زمین نے سارا پانی جذب کرلیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا تو اس نے آگ ہی کو حکم دیا **يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ** (الانبیاء 69) اے آگ ابراہیمؑ کے لئے بادِ بہاری بن جا سلامتی بن جا، آگ اپنی صفت پر قائم رہتے ہوئے ان کے لئے سلامتی بن

جا۔اس کی تو ساری مخلوق اس سے بات کرتی ہے اس کی سنتی ہے اس کے سامنے دست بستہ کھڑی ہے اور یوں نور حیات میں سے حصہ پاتی ہے لیکن یہ غیر مکلّف مخلوق تب تک کے لئے ہے جب تک رب چاہتا ہے جب وہ کسی چیز کو ختم کرنا چاہتا ہے تو وہ نور ختم ہو جاتا ہے اور وہ چیز معدوم ہو جاتی ہے۔

مکلّف مخلوق میں سے سب سے اعلیٰ مخلوق انسان ہے یہ بہت اعلیٰ مدارج تک جا سکتا ہے۔

پھر جنات ہیں جو عذاب سے بچ گئے تو فنا کر دیئے جائیں گے اور جو گناہگار ہوں گے وہ اپنے گناہ کے برابر عذاب بھگت کر فنا ہو جائیں گے جانور بھی میدان جزا میں جمع ہوں گے پھر فنا ہو جائیں گے۔اسی لئے تو کافر کہے گا کہ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (سورۃ النبا آیت 40) اے کاش! میں مٹی ہوتا۔لیکن انسان خاک میں ختم نہیں ہوگا وہ اگرچہ مٹی سے بنا ہے لیکن اس کی روح عالم امر سے ہے امر کے لئے فنا نہیں لہٰذا اس کا بدن بھی ہمیشہ اس کے ساتھ سلامت رہے گا اگر اس نے دنیا کی زندگی میں اکتساب نور کر لیا تو آخرت میں بھی اس کے مدارج ہمیشہ بلند ہوتے رہیں گے اور اگر اس سے محروم ہو گیا تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی اتھاہ گہرائیوں کی نذر ہو جائے گا۔

قرآن حکیم کے تصور حیات کے مطابق ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حیات اللہ کے نور سے ہے زمینوں میں ہے، آسمانوں میں ہے جہاں بھی ہے جیسی بھی ہے اور جہاں وہ انوارات باری اس سے سلب ہو جاتے ہیں وہاں حیات کا وجود نہیں رہتا۔کوئی شئے اپنے زور پر قائم نہیں رہتی یہیں سے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا مسئلہ نکلا ہے امام ابن عربیؒ نے وحدت الوجود کہا مراد یہ تھی کہ حقیقی اور قائم بالذّات وجود صرف ایک ہے جو اللہ کا ہے باقی جتنے وجود ہیں وہ اللہ کے آسرے پر قائم ہیں۔ان کی ذاتی حیثیت کوئی نہیں ہے یہ بات صحیح بھی تھی اور آسان بھی لیکن لوگوں نے اس پر حاشیئے بڑھائے کہ ہر وجود اللہ ہے ہر وجود میں اللہ موجود ہے۔اس لئے درخت کی پوجا ہوئی پتھر کی بھی۔تو بات کیا تھی جسے کیا بنا دیا گیا اس پر حضرت مجددؒ نے ایک نیا فلسفہ دیا کہ وحدت الوجود نہ کہا جائے بلکہ وحدت الشہود کہا جائے کہ ہر وجود اللہ کی توحید پر گواہ ہے سب کی گواہی ایک ہے ہر وجود یہ گواہی دیتا ہے کہ اس کا خالق اللہ ہے ہر وجود اللہ کی عظمت پر گواہ ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ارض وسماء میں جہاں کہیں حیات ہے وہ اللہ کے نور سے ہے لیکن حیات کا تصور میرا اور آپ کا نہیں بلکہ وہ تصور ہے جو قرآن نے دیا ہے کہ اطاعت الٰہی حیات ہے عدم اطاعت حیات سے محروم ہے اور اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے۔وہ کسے چاہتا ہے؟ اُسے جس کے دل میں رجوع الی اللہ پیدا ہوتا ہے اللہ اسی کو چاہنے لگتا ہے اسی کو ہدایت عطا فر دیتا ہے جو اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرتا ہے اللہ اس کی راہ کھول دیتا ہے اسے ایسے لوگوں میں ایسی محافل میں پہنچا دیتا ہے جو اسے اللہ کی اطاعت پر خلوص سے کار بند کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

ایمان ویقین برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامانِ رحمت

سالانہ اجتماع سوال وجواب 11-7-09

سوال: صمد کے معنی کیا ہیں؟

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم O

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ‏ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ‏ ② لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ‏ ③ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ‏④

اعداد وشمار کی ابتداء اکائی سے ہوتی ہے چونکہ صفر کا معنی کچھ نہ ہونے کا ہے۔ کچھ ہونے کی ابتداء اکائی سے ہوتی ہے لیکن دو عالم کی کوئی اکائی ایسی نہیں ہے سوائے ذات باری تعالیٰ کے۔ جس کے مختلف اجزاء نہ ہوں آپ کہتے ہیں کہ ایک مکان ہے بظاہر تو ایک ہے لیکن اس کے اجزاء کتنے ہیں۔ بظاہر تو ایک اکائی ہے لیکن اس کے اندر کتنی اکائیاں ہیں۔ اسی طرح کہنے کو تو ایک فرد ہے لیکن اس کے اندر کتنے اجزاء ہیں۔ کھربوں کے حساب سے جو اجزاء ہوتے ہیں یا جو حصے ہوتے ہیں جن سے مل کر ایک اکائی بنتی ہے۔ اپنے وجود، اپنی ذات میں وہ اکائی ان اجزاء کی محتاج ہوتی ہے اگر وہ اجزاء نہ ہوں تو وہ اکائی نہیں بن سکتی۔ یہاں ارشاد ہوا کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما دیجئے کہ اللہ احد ہے۔ احد کا معنی ہوتا ہے واحد۔ ایک احد ہوتا ہے وہ ایک جو غیر منقسم ہو جس میں اجزاء نہ ہوں جو آگے تقسیم نہ ہو سکے۔ ہم کہتے ہیں کہ ایک مکان ہے پھر ہم اسے آگے تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس میں دیواریں ہیں، چھت ہے، دروازہ ہے یا ایک دروازہ ہے یا ایک درخت ہے اسمیں پتے ہیں، شاخیں ہیں، تنا ہے، پھول ہیں کسی بھی چیز کو آپ ایک کہیں گے تو بہت سی چیزیں مل کر وہ اکائی بنے گی۔ احد کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایسا ہے ایک ہو کہ وہ کسی جزو میں کسی کا محتاج نہ ہو کہ اس میں سے کوئی جزو نکل جائے تو اس کا ایک ہونا مشکوک ہو جائے۔ اب ذات حی القیوم کے لئے لوگوں نے بت تراش لئے اور مظاہر فطرت میں الوہیت کو تسلیم کر لیا۔ اللہ کریم نے اس کی تردید فرما دی۔ فرمایا اللہ احد ہے۔ ایسی اکائی ہے جو غیر منقسم ہے وہ نہیں تقسیم ہو سکتا نہ وہ اجزاء سے مل کر بنا ہے نہ اس کی ذات کے کوئی اجزاء بن سکتے ہیں اس احدیت کو قائم رکھنے کے لئے فرمایا **اَللّٰهُ الصَّمَدُ** ہے۔ وہ ایسا احد ہے کہ جسے اپنی توحید کو قائم رکھنے کے لئے کسی چیز کی کوئی ضرورت

نہیں۔اب کوئی بے نیاز لکھتا ہے یا بے احتیاج لکھتا ہے تو یہ الگ بات ہے۔یہ ہمارے اظہار کے طریقے ہیں کہ ہم اس کو اپنی زبان میں کس طرح اس کا اظہار کرتے ہیں لیکن ہمارے یہ سارے تراجم اس کو پورا نہیں کرتے۔ ذات باری کی طرح صفات باری بھی انسانی علوم اور اس کی دماغی صلاحیتوں سے بالاتر ہیں۔ہم اپنے سمجھنے کے لئے مختلف توجیہات اور الفاظ گھڑتے رہتے ہیں۔ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** انہیں کہہ دیجئے! اللہ ایک ہے اور وہ ایسی اکائی ہے کہ دنیا کی ہر اکائی محتاج ہے اپنے اجزاء کی جن سے مل کر وہ بنتی ہے تو بظاہر تو اکائی ہوتی ہے لیکن اس کے اندر بے شمار جزو ہوتے ہیں۔اللہ ایسی اکائی نہیں ہے۔ **اَللّٰهُ الصَّمَدُ** اللہ صمد ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔کسی جزو کا محتاج نہیں کچھ اجزاء اوصاف اس کے ساتھ ملیں تو وہ اکائی قائم رہے کوئی چیز درمیان سے نکال دیں تو کمی آجائے۔ ایسا نہیں ہے ایسی اکائی ہے جس کی مثال مخلوق میں نہیں ملتی۔اب کائی کے وجود میں آنے کے ذرائع ہیں کہ کہیں سے تو وہ پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا: **لَمْ يَلِدْ** کوئی ذریعہ نہیں ہے اس کے بنانے کا کسی ذریعے کا محتاج نہیں ہے۔اسے کسی نے بنایا نہیں ہے۔ **وَ لَمْ يُوْلَدْ** اور اپنا کوئی جزو اس نے آگے تقسیم نہیں کیا۔اولاد جو ہوتی ہے وہ جزو بدن ہوتی ہے باپ کے صلب میں نطفہ بنتا ہے پھر ماں کے وجود سے غذا لیتا ہے۔اولاد ماں اور باپ کے وجود کا حصہ ہوتی ہے۔اسی لئے جس جانور کی اولاد ہوگی اس میں اسی جانور کی خصوصیات ہوں گی۔

شیر کا بچہ شیر، بلی کا بچہ بلیاں، بنیں گی، انسان کا بچہ انسان ہوگا، گائے کا بچہ گائے بیل کا بچہ بیل اسی طرح بنے گا۔یہ نہیں کہ بچہ گائے کا اور بھینس بن جائے یا بکرا بن جائے۔یہ نہیں ہوسکتا۔اسی وجود کا حصہ ہوتا ہے۔فرمایا: اللہ ایسی اکائی ہے کہ ایک تو اپنی ذات میں بننے کا کسی کا محتاج نہیں اور اسے آگے تقسیم نہیں کرسکتے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس چیز میں خدا آگیا ہے، اس میں اللہ موجود ہے، اس میں نظر آتا ہے۔نہیں۔وہ ذات غیر منقسم ہے اس کی ذات ناقابل تقسیم ہے کوئی اس کا بیٹا کہتا ہے تو غلط کہتا ہے۔کوئی اس کی اولاد بتاتا ہے تو غلط بتاتا ہے۔تو اس میں الصمد کا معنی یا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی جو وحدت ذاتی ہے کسی شئے کی عقل وجود کے قیام کے لئے محتاج نہیں نہ کوئی مخلوق میں سے نہ زمینوں میں سے اور نہ آسمانوں میں سے وہ اکیلا خالق ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مخلوق ہے۔ انبیاء و رسل اس کے منتخب شدہ اور مقرب ہستیاں ہیں لیکن مخلوق ہیں۔فرشتے اس کی بہت اچھی مخلوق ہیں زمین آسمان اس کی صنعت کا شاہکار ہیں ایک ایک تنکا، ایک ایک درخت، ایک ایک پھل، اس کی صنعت کا شاہکار ہیں۔ایک درخت ہے اس کی جڑیں ہیں، پتے ہیں، لکڑی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ لکڑی میں کوئی ذائقہ نہیں، پتہ چباؤ تو ذائقہ ہے لیکن لطف نہیں، اس پر پھل لگتا ہے تو اتنا لذیز ہوتا ہے۔اس لکڑی اور پتوں کے جھاڑ جھنکار میں سے یہ کس نے نکال دیا اس میں شیرینی بھر دی۔ اس میں قوت بھر دی اس

میں بیماریوں کے دفاع کی صلاحیت بھر دی یہ سارا کچھ کیا ہے؟ سارا کچھ اس کا تخلیق کردہ ہے اس کی ذات ان سب سے بالاتر ہے وہ ایسا اکیلا ہے کہ جس کا کوئی جزو نہیں اور ایسا اکیلا ہے جو کسی چھوٹے سے چھوٹے جزو کا اپنے واحدہٗ لاشریک ہونے میں محتاج نہیں۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ نہ وہ اپنے بنانے میں کسی کا محتاج ہے اور نہ اس جیسا کوئی بن سکتا ہے جو بنے گا وہ مخلوق ہوگا۔ اس کی اکائی کا کوئی حصہ تقسیم نہیں ہوسکتا۔ جو بھی بنے گا وہ اس کی تخلیق ہوگی اس جیسا نہیں ہوگا۔ اس کی اکائی کا کوئی ذرہ اس میں نہیں آئے گا وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کوئی کسی طرح سے، کسی رشتے سے، کسی ناطے سے، کسی طریقے سے کوئی بھی اس کی ذات کے کسی شعبے یا اس کی کسی صفت میں اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ اس کی شان ایسی ہے کہ اس کی صفات بھی اس کی شان کے مطابق ہیں۔ اگر انہی صفات کا پرتو انسان میں آئے گا تو انسانی استعداد کے مطابق ہوگا جیسے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی ظاہری مدرسے میں نہیں پڑھتے لیکن دنیا بھر کے علوم کے جامع اور صحیح علوم تقسیم فرماتے ہیں۔ کہاں سے لیتے ہیں؟ اللہ کی صفت علم کا پرتو ہوتا ہے لیکن اس کی صفت کا پرتو تو انبیاء میں آتا ہے اس کی ذات کا حصہ کوئی نہیں آتا کہ ان میں تھوڑا سا بھی ذرہ برابر بھی شائبہ الوہیت کا آجائے وہ نہیں آتا اس کی ذات غیر منقسم ہے نہ اس کی توحید کو بنانے میں کوئی اجزاء ہیں نہ وہ آگے تقسیم ہوسکتے ہیں تو اس میں صمد کے معنی کی تعین ہوجاتی ہے۔

سوال میں پوچھا یہ گیا ہے کہ صمد کے معنے کیا ہیں؟ صمد کے معنی یا تراجم بے نیاز، بے پرواہ، بے احتیاج کے کئے گئے ہیں تو یہ جو معنی کئے گئے ہیں یہ تو لوگوں نے اس کو بیان کرنے کے لئے کچھ لفظ تراشے ہیں۔ حقیقی معنی اس کا یہ ہے کہ اللہ ایسی وحدانیت ہے ایسا ایک ہے کہ مخلوق کی ہر اکائی بھی اجزاء کی محتاج ہے۔ اس پر قیاس نہ کرلینا وہ ایسا ایک ہے کہ اپنے وجود میں بننے کے لئے کسی ذرے کا کسی جزو کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اس کی ذات اس کی صفات ہیں۔ آگے کسی دوسرے میں وہ صفت نہیں پائی جاتی کہ وہ اس میں برابری کرے۔ اس کی ذات اس کی صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ صمد کا معنی ان سب سے جو اچھا لگتا ہے وہ بے نیاز ہے۔ بے نیاز کا معنی ہوتا ہے وہ جسے کسی کی احتیاج نہ ہو۔ بے پروا ایک ذو معنی سا لفظ ہے۔ بے احتیاج بھی ایک حد تک لیکن بے نیاز تھوڑا سا ادبی لحاظ سے خوبصورت ہے۔ لیکن مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسی واحد و لاشریک ذات ہے کہ اس کی ذات کو اپنی توحید کے لئے کسی چیز کسی ذرے کسی کی تائید، کسی ذرہ برابر چیز کی ضرورت نہیں ہے اگر ساری دنیا اس کی توحید کا انکار کردے تو بھی اس کی توحید میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اور اگر ساری دنیا اس کی توحید کو مان لے تو بھی لوگوں کے ماننے سے بڑھ نہیں جاتی کسی کے کردار سے متاثر نہیں ہوتی وہ سب سے بالاتر ہے اور وہ توحید غیر منقسم ہے کسی دوسری بڑی سے بڑی ہستی میں وہ نبی ہوں یا اللہ کی بہترین مخلوق ہوں۔ اس کی الوہیت

کا ذات باری کا کوئی تصور نہیں کر سکتا۔ وہ غیر منقسم ہے۔ جس طرح وہ اپنے بننے میں وہ ذاتی طور پر واحد و لاشریک ہے کوئی جزو نہیں ہے اسی طرح آگے اس کا کوئی جزو بنا کر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ چیز ماننا اور منوانا سب سے مشکل کام ہے۔ زبانی دلائل، تقریر، بیان، کوئی چیز اس کو نہیں منوا سکتی جب تک برکات نبوت یا وہ کیفیات جو قلب اطہر سے نصیب نہ ہوں۔ بندہ اس کا قائل ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ انسان اپنی پیدائش سے لے کر مرنے تک مختلف اجزاء دیکھتا ہے۔ اکائی میں وہ مختلف اجزاء دیکھتا ہے۔ وہ آگے تقسیم ہوتے بھی دیکھتا ہے۔ اب جو اس کا مشاہدہ ہے عمر بھر کا وہ یہ ہے کہ اکائی کا وجود ہے لیکن ہر اکائی آگے تقسیم کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک انسان کا ایسا مشاہدہ ہے۔ اس میں انپڑھ جاہل سے لے کر بڑے سے بڑے فلاسفر تک شریک ہیں۔ اپنی اپنی عملی استعداد کے مطابق۔ زندگی بھر کا مشاہدہ اپنے بڑوں سے سنی ہوئی بات اپنے سے آگے لوگوں کو سمجھانے والی بات ایسی اکائی کیسے مان لیں جو نہ بننے میں محتاج ہے اور نہ آگے تقسیم ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا جو لوگ بت پرستی کرتے ہیں وہ پورے وحدہٗ لاشریک اللہ کو کسی بت میں نہیں مانتے آپ ان کا مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ انہیں کسی نہ کسی صفت کا پرتو سمجھا ہوتا ہے کہ اس بت کی پوجا کرو تو اولاد دیتا ہے۔ اس کی پوجا کرو تو بارش ہوتی ہے۔ یعنی انہوں نے اس اکائی کو اپنی عقل کے مطابق اجزاء میں بانٹ رکھا ہے۔ اب اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہو کر کہہ دے کہ یہ ساری تقسیمیں غلط ہیں اور یہ کہ اللہ ایسی اکائی ہے جو نہ بننے میں محتاج ہے اور نہ اس کا کوئی جزو اس سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات عقل نہیں مانتی اسے ماننے کے لئے وہ کیفیات چاہئیں۔ جو انبیاءؑ کے قلوب اطہر میں ہوتی ہیں۔ اسی لئے آپ نے دیکھا کہ جس نے انبیاءؑ کی عظمت کو تسلیم کیا دل نبی سے لگایا اسے ایمان نصیب ہوا۔ جس نے دل نہیں لگایا اسے ایمان نصیب نہیں ہوا۔ یعنی کیسی عجیب بات ہے ایک بندہ نبیؐ کا پیغام سنتا رہتا ہے اس کے بعد کیا ضروری ہے کہ نبیؐ کو اپنے سر پہ بٹھائے؟ آپ ایک message کہیں سے لاتے ہیں سنا دیتے ہیں اعلان کر دیتے ہیں۔ لوگ سنتے ہیں۔ منتشر ہو جاتے ہیں۔ کوئی بات آپ نے کی انہوں نے سن لی اور چلے گئے لیکن نبیؐ کی عظمت اور نبیؐ کی ذات کے ساتھ ایثار اور نبیؐ پر جان نچھاور کر دینے کا جذبہ اور نبیؐ سے محبت اور اس سے بڑھ کر عشق و جنون یہ ضروری ہے۔ توحید باری کو ماننے کے لئے بندہ توحید کا قائل اس جذبہ دروں سے ہوتا ہے۔ خواتین میں اسلام کی پہلی شہید خاتون حضرت سمیہؓ ہیں اور حضرت یاسر اور ان کے بیٹے عمار اور ان کی اہلیہ سمیہؓ اور ایک ان کی بیٹی تھی یہ کئی نسلوں سے غلام آ رہے تھے کہیں سے بچہ پکڑا کسی کا تو کسی بڑے کو پکڑ لیا اور غلام بنا لیا پھر اسے بیچ دیا پھر ان کی اولاد اور جوان کی اولاد ہوتی تھی اسی طرح وہ چلتے رہتے تھے تو اسی طرح یہ بھی کئی نسلوں سے غلام تھے اب انہوں نے کلمہ پڑھ لیا ابوجہل کے

لئے ایک چیلنج بن گیا کہ اگر شہر کے ایسے لوگ جو کئی نسلوں سے ہمارے غلام ہیں وہ نبوت کا علی الا علان ساتھ دیں گے تو پھر ہم دوسرے لوگوں کو کیسے روکیں گے۔ اس نے ان پر بڑے مظالم توڑے ۔بے پناہ زیادتی کی دن بھر گلی میں پیٹے جاتے۔ ایک روایت ہے کہ ایک شام انہیں پیٹ کر گھر میں پھینک گئے پانی کا ایک گھڑا گھر میں رکھا تھا لیکن چاروں میں سے کسی ایک میں بھی یہ سکت نہ تھی کہ اٹھ کر پانی پی لے یا پلادے کچھ تھا نہیں پانی کا ایک گھڑا تھا لیکن چاروں میں سے کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ پانی بھر کر پی لے یا پلادے آخر ابو جہل تھک گیا ان کے سینے پہ گھٹنے رکھ کر خنجر نکال کر وہ کہنے لگا کہ میں مارتے مارتے تھک گیا ہوں، ظلم کرتے کرتے تھک گیا ہوں، تم مار کھا کر نہیں تھکے۔ اب ایسا کرو دنیا میں میرا بھرم رہنے دو۔ تم دل سے مسلمان رہو۔ بوڑھی ضعیف عورت ہو تم زبان سے کہہ دو میں اس دین کو نہیں مانتی میں چھوڑ دوں گا تم دل سے نہ کہو اپنا کلمہ پر قائم رہو۔ اس نحیف، نزاد خاتون نے جس پر ابھی نمازیں فرض نہیں ہوئیں، روزے فرض نہیں ہوئے، حج فرض نہیں ہوا، عبادات کا سوال ہی نہیں۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ سارا دین ہے وہ ان کا ایک جملہ ہے وہ یہ بات سمجھا تا ہے کہ توحید سمجھ کیسے آتی ہے؟ کہنے لگیں کہ تو کیسا نا مراد ہے؟ جس وحدہٗ لاشریک کو میں دیکھ رہی ہوں میں اسکا انکار کیسے کروں؟ یعنی اگر ان آنکھوں سے نظر آ رہا ہوتا تو پھر تو ابو جہل بھی دیکھ رہا ہوتا۔ نظر اسکی ان سے تیز تھی تم جو بات کہتے ہو تمہارا مطالبہ عجیب ہے وہ میرے سامنے ہے میں اس کو جھٹلا دوں تمہاری بات مان لوں یہ عجیب بات ہے۔ تم بیوقوف ہو۔ کوئی باہوش، باخرد آدمی جس حقیقت کو دیکھ رہا ہو اسکا انکار کیسے کر دے تو بڑے عبرتناک طریقے سے ان کو شہید کیا ان کی دونوں ٹانگوں کو دو اونٹوں یا دو گھوڑوں سے باندھ کر مختلف سمت دوڑا دیئے۔ انہوں نے کہا جو مرضی ہے کرو اللہ کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ انہیں یہ کیسے نظر آ گیا؟ یہ وہ کیفیت ہے جب کوئی بندہ اللہ کے نبیؐ سے جڑ تا ہے تو وہ جو کیفیت صحبت در آتی ہے از خود وہ آداب نبوت بھی سکھا دیتی ہے۔ عشق وجنون بھی پیدا کر دیتی ہے جب تک برکات نبوت دل میں نہ آئیں اللہ کی توحید تو بہت بڑی بات ہے اللہ کو رازق کوئی نہیں مانتا۔ کیوں رشوت لیتے ہیں؟ کیوں چوری کرتے ہیں؟ رازق تو اللہ ہے کیوں دوسرے کا مال چھینتے ہیں؟ رازق تو اللہ ہے۔ **وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا** (سورہ ھود 6) چیونٹی، پتنگے، حیوان، جاندار سے لے کر انسان تک اسی کی ذمہ داری ہے جس نے پیدا کیا ہے۔ وہ اچھا ہے یا برا ہے اسے مانتا ہے یا نہیں مانتا وہ روزی اسے دے گا اس نے خود اعلان فرمایا یہ میری ذمہ داری ہے۔ میں تمہیں روزی دوں گا۔ تو اگر ہم مانتے ہیں نمازیں پڑھنا آسان ہے، روزے رکھنا آسان ہے، اللہ کو وحدہٗ لاشریک اس کی ذات اور اسکی صفات کو ماننا مشکل ترین کام ہے۔ حج کے لئے ہم جاتے ہیں تو اس

میں جھوٹ بول کے اپنے لئے جگہ پیدا کر لیتے ہیں۔ حج کرنا اس میں رشوت دینے کی کیا تک ہے اگر نہیں نام نکلتا تو تم تو مکلّف ہو کہ وسائل اگر ہوں تو حج کروں اگر وسائل ہی نہیں اسکی باز پرس ہی نہیں ہوگی اس پر رشوت دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اللہ پر اعتبار ہے تو وہ وسائل پیدا کر دے گا۔ کیوں ہم چوری کرتے ہیں؟ دوسرے کا مال ہم کیوں چھین لیتے ہیں کیوں ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں؟ ایک ایک چپہ زمین کے لئے بھائی بھائی کو قتل کر دیتا ہے کیا زمین کو ساتھ لے جائے گا قبر میں؟ یہ ایمان کی کمی ہوتی ہے۔ ہمیں اللہ کی ذات اور صفات پر یقین نہیں۔ ہم سے گناہ کیوں ہوتے ہیں؟ اگر اللہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے ہمیں دیکھ رہا ہے تو پھر ہم اس کی نافرمانی کیوں کرتے ہیں؟ اللہ کے روبرو نہیں ہوتے زبانی کہتے ہیں۔ ہمیں اس پہ یقین نہیں ہوتا کہ یہاں اللہ موجود ہے اور یہ یقین توحید باری، ذات باری، صفات باری کا حاصل کرنے کے لئے برکات نبوت کی ضرورت ہے۔ نبی کی تعلیم میں صرف الفاظ نہیں ہوتے کیفیات ہوتی ہیں۔ وہی کیفیات مقصد حیات ہیں پھر مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ روسی کہانی ہے کہ جب روس کے بادشاہ تھے تو بادشاہ کسی سے بہت خوش ہوا کسی بات پر تو اس نے اس سے کہا کہ بھئی تم صبح اٹھ کر چل پڑو شام تک واپس جہاں سے چلو گے وہیں پہنچ جانا جتنی زمین پر تم سفر کرو گے وہ میں تمہیں جاگیر کے طور پر عطا کر دوں گا۔ وہ بندہ صبح اٹھ کے ساری رات منصوبہ بناتا رہا۔ ذہن میں کہ کہاں سے چلوں گا وہاں سے گزروں گا کتنا چکر لگا کر بارہ گھنٹے تیرہ گھنٹے کا دن ہے میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ ایک اس نے اپنا نقشہ ذہن میں تیار کر لیا۔ تھوڑی دور چلا اس نے کہا ذرا سا تیز چلوں دو گاؤں اور آ جائیں اس نے اور تیز چلنا شروع کر دیا تھوڑی دیر بعد اسے خیال آیا اگر میں ہلکا ہلکا دوڑتا چلا جاؤں تو شائد آٹھ دس گاؤں کی زمین اور آ جائے اس نے دوڑنا شروع کر دیا دوڑتا دوڑتا اپنے اپنے اندازے کے مطابق چکر لگا تا دوڑتا رہا تو جب واپس اس جگہ کے قریب پہنچا تو دل بیٹھ گیا یا دماغ کی نس پھٹ گئی سارے دن کی دوڑ سے وہ گرا جہاں قدم تھے وہاں سے جب گرا تو سر اس جگہ لگا جہاں سے اس نے چلنا شروع کیا گیا۔ یوں آخر میں کہانی نویس لکھتا ہے "This was the land he needed" اسے اتنی سی زمین کی ضرورت تھی جس پر وہ لیٹا ہوا تھا۔ جس میں اس کی قبر کھود کر اسے دفن کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے سارا دن دوڑ دوڑ کر زندگی گنوا دی تو کیا یہ بات ہم نہیں سمجھتے کہ یہ جو ہم چھینا جھپٹی کرتے ہیں یا ناجائز لیتے ہیں یا جھوٹ بول کر ہم لیتے ہیں یہ ہمارے لئے کچھ مفید نہیں ہوگا پھر بھی لیتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ توحید باری کو ماننا اور اس کی صمدیت پہ یقین ہی تو مشکل کام ہے اور یہ مشکل حل ہو جاتی ہے برکات نبوت سے۔ اس کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ اللہ کریم توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام نہیں چاہتے وہ عہد

جاہلیت کا نظام چاہتے ہیں

امیر محمد اکرم اعوان 09-7-10 دارالعرفان منارہ چکوال

الحمد لله، الحمدلله رب العلمین والصلوٰة والسلام علی حبیبه محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اعوذ بالله من الشیطن الرجیم ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ وَ احۡذَرۡہُمۡ اَنۡ
یَّفۡتِنُوۡکَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ
اَنۡ یُّصِیۡبَہُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُکۡمَ
الۡجَاہِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ ؕ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

اَللّٰھُمَّ سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ

مولا یا صل وسلم دائما ابدا

علی حبیبك خیر الخلق كلهم

سابقہ آیت مبارکہ میں وہ بات چل رہی تھی کہ جب یہود اپنے بعض جھگڑوں کا فیصلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کروانے کے لئے آئے اس میں ان کا خلوص نیت شامل نہیں تھا پہلے تو یہ جواب دیا گیا کہ ان کے پاس خود آسمانی کتاب ہے یہ اس کے مطابق فیصلہ کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ ہم اس فیصلے سے بچ جائیں گے اور چکنی چپڑی باتیں کر کے جھوٹی شہادتیں دے کر شاید ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حق میں فیصلہ لے لیں گے اللہ کریم نے یہ دونوں جواب دیئے۔ پہلا تو یہ دیا گیا کہ پہلے تو ان کی اپنی کتاب منگوائی جائے اور دوسری بات یہ کہ آپ فیصلہ کرنا چاہیں یا نہ کریں آپ کو اختیار ہے اور اگر آپ کریں تو ایک ہی راستہ ہے۔ **وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ** ان کے درمیان اس طرح فیصلہ کیجئے جسطرح کہ قوانین وضوابط اللہ کریم نے نازل فرمائے اس سے آگے جو بات ارشاد فرمائی وہ بہت ہی زیادہ قابل غور ہے۔ فرمایا: **وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ** ان کی خواہشات یا ان کی تمنائیں جو ہیں

آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے ان کی باتوں پر نہ جائیے اس لئے کہ اگر آپ ان کی باتیں سنیں گے تو یہ ایسے لوگ ہیں **وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ** آپ ان سے احتیاط کیجئے کہ یہ اللہ کے احکام کے خلاف آپ سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں یہ اپنی پسند کا فیصلہ چاہتے ہیں اور احکام الٰہی کے خلاف آپ کا فیصلہ چاہتے ہیں آپ ان کی پرواہ مت کیجئے گا۔ نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ یہ اجماعی عقیدہ ہے نبی سے خطا سرزد نہیں ہوتی۔ پھر تنبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں کی جا رہی ہے اگر آپ ان کی باتیں سنیں گے تو یہ آپ کو بھی راہِ حق سے ہٹا دیں گے کہ قیامت تک امت میں دوسرا آدمی نہیں ہے جو قانون الٰہی کو قرآنی قاعدوں، ضابطوں کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی یا دنیاداروں کی باتوں میں آجائے اور پھر وہ حق پر بھی رہے۔ یقیناً حق اللہ کا کلام ہے اور اللہ کے کلام کے ساتھ ہے اس کے خلاف جو بھی جائے گا وہ حق پر نہیں ہوگا کہ ان کی کوشش تو یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس نظام، اس ضابطہ، اس قانون سے ہٹا کر لے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ ان کی آراء اور ان کی باتوں کی پرواہ نہ کریں اور فیصلہ اس طرح کریں جس طرح کا ضابطہ اللہ کریم نے نازل فرمایا ہے ہم اپنے موجودہ حالات کے تناظر میں اگر اس بات پہ غور کریں تو آج ہمارا ملک اور بحیثیت قوم ہم انتہائی ابتری کا شکار ہیں قتل و غارت گری کا کوئی اندازہ نہیں کہ دن میں کتنے لوگ کہاں کہاں قتل ہو جاتے ہیں کوئی اخبار اٹھالیں یا کسی ٹی وی کا خبرنامہ دیکھیں سوائے قتل و غارت کے کچھ سنائی نہیں دیتا اور مزے کی بات یہ ہے کہ کوئی اسے پوچھنے والا بھی نہیں یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی بنیاد یہ ہے کہ یہ ملک برصغیر جسے کہتے ہیں یہ سات صدیوں تک مسلمان بادشاہوں کے زیرنگین رہا ان میں اچھے بھی تھے اور ایسے بھی تھے جو عقیدے اور کردار کے اعتبار سے اچھے نہیں تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ انگریز نے جو تاریخ مرتب کروائی ان میں جتنے نیک مسلمان بادشاہ تھے انہیں بڑا ظالم بتایا گیا۔ اور جو بے دین اور عیاش تھے انہیں بڑا امن پسند بتایا گیا۔ مسلمان حکومت کمزور ہوئی تو افراتفری ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے علاقوں پر مختلف جنگجو قابض ہو گئے۔ پنجاب سکھوں کے قبضے میں چلا گیا وہ ایک نظام جو مسلمان حکمرانوں نے ترتیب دیا تھا وہ ختم ہو گیا جو نظام مسلمانوں نے ترتیب دیا تھا اسے آج بھی اگر مورخ کی نظر سے پڑھیں تو اس میں ہر شہری کو شہری حقوق حاصل تھے بلکہ غیر مسلم بھی آسودہ حال تھے بلکہ انگریزوں سے پہلے پنجاب پر بڑا عرصہ سکھوں کی حکومت رہی اور سکھا شاہی محاورہ بن گیا "ظلم کی حکومت" اس کے باوجود جب انگریزوں نے قبضہ کیا تو انگریز جو یہاں وائسرائے آیا تو اس نے اپنی پارلیمنٹ میں بیان دیا۔

اس نے کہا کہ میں نے ہندوستان کے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک سفر کیا ہے میں نے اس پورے سفر میں کوئی گداگر نہیں دیکھا کوئی چور نہیں دیکھا I have seen no thief no beggar یہ اس کے الفاظ ہیں اور جہاں کوئی چور نہیں ہوتا کوئی گداگر نہیں ہوتا تو اس کا مطلب ہے کہ بہت ہی خوشحال لوگ ہیں اب اتنی خوشحال قوم کو غلام بنانا ممکن نہیں ہے کسی

کو غلام بنانے کے لئے اسے معاشی طور پر، علمی طور پر کمزور کرنا پڑتا ہے اس کا علم آپ سے کم ہوگا اس کی معاشی حیثیت آپ سے کم ہوگی۔

اس کی وجہ ان کا نظام تعلیم ہے جو انہیں دنیوی علوم بھی عطا کرتا ہے اور بحثیت مسلمان ان کی اپنی شناخت عطا کرتا ہے اور ان کا تعلق اللہ سے استوار کرتا ہے پھر اس نے تجویز دی کہ ان کو کیسے غلام رکھا جاسکتا ہے اس نے کہا کہ انہیں غلام رکھنے کے لئے ان کی Back bone ان کی ریڑھ کی ہڈی توڑنا ہوگی اور وہ ان کا نظام تعلیم ہے اس کی جگہ ہمیں ایک نیا نظام تعلیم متعارف کرنا ہوگا (یہ ساری تفصیل اس کے بیان میں موجود ہے) ایسا نظام تعلیم جو ان کی روایات کی تذلیل کرے اور ہماری عادات کو اعلیٰ کر کے بتائے یہ اپنے مسلمان ہونے پر شرمندگی محسوس کریں اور ہماری عادات کو اپنانا باعث فخر محسوس کریں۔ نظام تعلیم ایسا تھا کہ جس نے اس ملک کے شہریوں کو اتنی فارغ البالی دے دی۔ نہ صرف مسلمان بلکہ ہر شہری آسودہ حال تھا۔ وہ تھیں جامعات۔ مسلمانوں کے سات سو سالہ دورِ حکومت میں جامعات تھیں۔ جس کی خانہ پُری اب ہر اس مسجد پر لکھ کر کر لیتے ہیں جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے جامعہ فلاں، جامعہ فلاں۔

جامعہ کا مطلب ہوتا ہے جہاں دنیا کے سارے علوم پڑھائے جائیں اس کا انگریزی ترجمہ University ہے۔ جسے عربی، اردو میں جامعہ کہا جاتا ہے۔ University کا مطلب ہے کہ جہاں دنیا کا ہر موضوع زیرِ بحث آئے University عالم کو کہتے ہیں روئے زمین کی آبادی کو، روئے زمین میں جتنے علوم ہیں وہ ایک جگہ سکھائے جاتے ہوں، پڑھائے جاتے ہوں۔

مسلمان حکمرانوں نے جامعات بنوائیں اُن کا بڑا عجیب نظام تھا مسلمان حکمرانوں نے انہیں جاگیریں عطا کیں۔ ان کے بورڈ بنائے ان جاگیروں سے جو آمدن ہوتی تھی اس سے یونیورسٹی کی عمارت بھی بنتی تھی، اساتذہ کو تنخواہیں بھی ملتی تھیں، طالب علموں کو رہائش ملتی تھی، کھانا ملتا تھا، کتابیں ملتی تھیں، کپڑے ملتے تھے اور عام آدمی کے بچے سے لے کر بادشاہ کے بیٹے تک وہیں پڑھتے تھے۔ انہی جامعات سے ڈاکٹر آتے تھے طبیب آتے تھے، جرنیل تھے۔ وہیں سے سائنسدان بن کر نکلتے تھے، وہیں سے مورخ نکلتے تھے، وہیں سے جغرافیہ دان بن کر نکلتے تھے، وہیں سے حساب کے ماہر نکلتے تھے۔ ہر شعبۂ زندگی کے ماہرین انہی جامعات کی پیداوار تھے اس کے ساتھ وہ مسلمانوں کو ان کا ذاتی تشخص بھی بتاتی تھیں کہ تم کس قوم سے ہو تمہارا عقیدہ کیا ہے تمہاری حقیقت کیا ہے تمہیں کیا کرنا ہے اس کا توڑ انگریز نے یہ کیا کہ نظام تعلیم بدل کر اپنی پسند کا لگایا۔ پھر جب نظام تعلیم بدلا اس کے ساتھ انہوں نے معاشی نظام بدل دیا اور اسے سودی نظام میں بدل دیا اس کے ساتھ انہوں نے عدالتی نظام بنانا شروع کر دیا جو بہت دیر تک بنتا رہا 1820/25 سے 1890/96 تک جو قوانین بنتے رہے جو آج بھی آپ کے آئین میں عدالتی نظام میں موجود ہیں اور آج بھی یہاں انہی کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے حکومت کرنے کا نظام بنایا مختلف لوگوں کو مختلف اختیارات بانٹے۔ فوج بنائی اور

اس کے قواعد وضوابط بنائے سارا کچھ جو تھا اس کی بنیاد اس پر تھی کہ برصغیر کے لوگ غلام ہیں۔ انگریز آقا ہیں۔ غلام محنت کریں گے، مشقت کریں گے، مزدوری کریں گے، اس پر جو پھل آئے گا۔ اس پر غلاموں کا حق نہیں ہے بلکہ وہ پھل آقا کو جائے گا، مالک کو جائے گا۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ ان کو زندہ رہنے کے لئے اس میں سے کتنا دے دینا ہے اور باقی وہ کتنا لے جاتا ہے۔ چنانچہ اس انداز سے ایک صدی تک انگریز نے حکومت کی پھر ہم آزاد ہو گئے اور ہماری آزادی بھی عجیب ہے ہم آزاد تو ہو گئے لیکن جس طرح کوئی طوطے کو ہلا لیتا ہے اس کے پر نوچ لیتا ہے۔ اسے پنجرے میں رکھتا ہے۔ آپ نے اسٹیشنوں پر فال نکالنے والے دیکھے ہونگے وہ پنجرہ کھولتے ہیں طوطا باہر نکلتا ہے کاغذ اٹھا کر پکڑتا ہے اور پھر واپس ٹہلتا ہوا پنجرے میں چلا جاتا ہے وہ اتنا عادی ہو چکا ہوتا ہے پنجرے کا کہ خود کو باہر غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ واپس پنجرے میں چلا جاتا ہے۔ ہم نے آزادی کسی قیمت پر نہیں لی۔ غریبوں کو مروایا۔ غیر یبوں کی نقل مکانی ہوئی، لوگ مارے گئے لیکن انگریزوں کے ساتھ لڑ کر نہیں لی کہ ہم غلامی سے تھک گئے ہیں اور مقابلے میں کھڑے ہیں اس کا نتیجہ ہے کہ آج تک ہم اس پنجرے میں گھسنے کو ترجیح دیتے ہیں کہ جو مغرب کر رہا ہے ویسا ہی ہم کریں وہ پنجرہ ہم پر رہے اگر باہر نکلیں بھی تو چہل قدمی کر کے اندر چلے جائیں پھر اس کے بعد اہل وطن اقتدار میں آگئے۔ بڑی سادہ سی بات ہے 2 جمع 2 کی طرح سمجھ میں آنے والی۔ جب اہل وطن اقتدار میں آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو بڑے مزے کی جگہ ہے انگریز کی جگہ ہم آگئے باقی سارا وطن ہمارا غلام ہے۔ محنت یہ کریں گے عیش ہم کریں گے۔ چنانچہ وہی انگریزی نظام ہم پر آج تک مسلّط ہے۔ تعلیمی نظام بھی وہی ہے۔ کوئی تبدیلی ہم نے نہیں کی عدلیہ کا نظام بھی وہی ہے، معاشی نظام بھی وہی ہے، سیاسی نظام بھی وہی ہے۔ ہماری دینی، سیاسی جماعتیں بھی جمہوریت کا شور کرتی ہیں اور دوسرے سیاستدان بھی۔ جمہوریت ہے کیا؟ ظہور اسلام سے پہلے کسی نے جمہوریت کا نام سنا تھا۔ اسلام نے دی جمہوریت۔ جمہوریت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس شعبہ کی بات ہو رہی ہے اس کی اکثریت جو رائے دے وہ جمہور کی رائے ہوتی ہے۔ یہ کون سی جمہوریت ہے 61 برسوں میں گنتی کے چند خاندانوں کو اقتدار میں لے آتی ہے باقی سب کو غلامی پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ صرف ہمارے ملک میں ہی ہے کہ بندہ مر گیا تو بیوی اس کی جگہ آگئی۔ بیوی مر گئی تو بیٹا اس کی جگہ آ گیا یا داماد آ گیا تو جو گنتی کے چند خاندان جن کو انگریز نے اقتدار سپرد کیا تھا یا کچھ خاندان جو کبھی رشوت دے کر یا سفارش کر کے کبھی کچھ کر کے ایک دفعہ اوپر آ گئے اب جمہوریت کی کوڑیاں جتنی بار پھینکیں انہوں نے ہی اوپر آنا ہے آپ نہیں آ سکتے یہ عجیب جمہوریت ہے گنتی کے چند خاندان ہیں انہی کے حق میں یہ فیصلہ دیتی ہے۔ وہی مسلط ہوتے ہیں ہمیشہ۔ یہ کیسی آزاد قوم ہے۔ جس کا نظام تعلیم انگریز کے زمانہ غلامی میں پھر بہتر تھا اس سے بگڑا ہے کسی نے بہتر نہیں کیا۔ عدلیہ کا نظام غیر اسلامی تھا انگریز کا بنایا ہوا تھا لیکن انگریز کے دور میں اس کی ایک حیثیت تھی جو اب ختم ہو گئی۔ اب تو آپ کہتے ہیں کہ فیصلہ خریدا جا سکتا ہے۔ انگریز کے

اس کے قواعد وضوابط بنائے سارا کچھ جو تھا اس کی بنیاد اس پر تھی کہ برصغیر کے لوگ غلام ہیں۔ انگریز آقا ہیں۔ غلام محنت کریں گے، مشقت کریں گے، مزدوری کریں گے، اس پر جو پھل آئے گا۔ اس پر غلاموں کا حق نہیں ہے بلکہ وہ پھل آقا کو جائے گا، مالک کو جائے گا۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ ان کو زندہ رہنے کے لئے اس میں سے کتنا دے دینا ہے اور باقی وہ کتنا لے جاتا ہے۔ چنانچہ اس انداز سے ایک صدی تک انگریز نے حکومت کی پھر ہم آزاد ہو گئے اور ہماری آزادی بھی عجیب ہے ہم آزاد تو ہو گئے لیکن جس طرح کوئی طوطے کو ہلا لیتا ہے اس کے پر نوچ لیتا ہے۔ اسے پنجرے میں رکھتا ہے۔ آپ نے اسٹیشنوں پر فال نکالنے والے دیکھے ہونگے وہ پنجرہ کھولتے ہیں طوطا باہر نکلتا ہے کاغذ اٹھا کر پکڑتا ہے اور پھر واپس ٹہلتا ہوا پنجرے میں چلا جاتا ہے وہ اتنا عادی ہو چکا ہوتا ہے پنجرے کا کہ خود کو باہر غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ واپس پنجرے میں چلا جاتا ہے۔ ہم نے آزادی کسی قیمت پر نہیں لی۔ غریبوں کو مروایا۔ غیر یبوں کی نقل مکانی ہوئی، لوگ مارے گئے لیکن انگریزوں کے ساتھ لڑ کر نہیں لی کہ ہم غلامی سے تھک گئے ہیں اور مقابلے میں کھڑے ہیں اس کا نتیجہ ہے کہ آج تک ہم اس پنجرے میں گھسنے کو ترجیح دیتے ہیں کہ جو مغرب کر رہا ہے ویسا ہی ہم کریں وہ پنجرہ ہم پر رہے اگر باہر نکلیں بھی تو چہل قدمی کر کے اندر چلے جائیں پھر اس کے بعد اہل وطن اقتدار میں آ گئے۔ بڑی سادہ سی بات ہے 2 جمع 2 کی طرح سمجھ میں آنے والی۔ جب اہل وطن اقتدار میں آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو بڑے مزے کی جگہ ہے انگریز کی جگہ ہم آ گئے باقی سارا وطن ہمارا غلام ہے۔ محنت یہ کریں گے عیش ہم کریں گے۔ چنانچہ وہی انگریزی نظام ہم پر آج تک مسلّط ہے۔ تعلیمی نظام بھی وہی ہے۔ کوئی تبدیلی ہم نے نہیں کی عدلیہ کا نظام بھی وہی ہے، معاشی نظام بھی وہی ہے، سیاسی نظام بھی وہی ہے۔ ہماری دینی، سیاسی جماعتیں بھی جمہوریت کا شور کرتی ہیں اور دوسرے سیاستدان بھی۔ جمہوریت ہے کیا؟ ظہور اسلام سے پہلے کسی نے جمہوریت کا نام سنا تھا۔ اسلام نے دی جمہوریت۔ جمہوریت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس شعبہ کی بات ہو رہی ہے اس کی اکثریت جو رائے دے وہ جمہور کی رائے ہوتی ہے۔ یہ کون سی جمہوریت ہے 61 برسوں میں گنتی کے چند خاندانوں کو اقتدار میں لے آتی ہے باقی سب کو غلامی پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ صرف ہمارے ملک میں ہی ہے کہ بندہ مر گیا تو بیوی اس کی جگہ آ گئی۔ بیوی مر گئی تو بیٹا اس کی جگہ آ گیا یا داماد آ گیا تو جو گنتی کے چند خاندان جن کو انگریز نے اقتدار سپرد کیا تھا یا کچھ خاندان جو کبھی رشوت دے کر یا سفارش کر کے کبھی کچھ کر کے ایک دفعہ اوپر آ گئے اب جمہوریت کی کوڑیاں جتنی بار پھینکیں انہوں نے ہی اوپر آنا ہے آپ نہیں آ سکتے یہ عجیب جمہوریت ہے گنتی کے چند خاندان ہیں انہی کے حق میں یہ فیصلہ دیتی ہے۔ وہی مسلط ہوتے ہیں ہمیشہ۔ یہ کیسی آزاد قوم ہے۔ جس کا نظام تعلیم انگریز کے زمانہ غلامی میں پھر بہتر تھا اس سے بگڑا ہے کسی نے بہتر نہیں کیا۔ عدلیہ کا نظام غیر اسلامی تھا انگریز کا بنایا ہوا تھا لیکن انگریز کے دور میں اس کی ایک حیثیت تھی جواب ختم ہو گئی۔ اب تو آپ کہتے ہیں کہ فیصلہ خریدا جا سکتا ہے۔ انگریز کے

زمانے میں تو کوئی نہیں کہتا تھا کہ فیصلہ خریدا جاسکتا ہے تو یہ بدترین غلامی ہے۔ جو ہم پر مسلط ہے اور آقاؤں کی مرضی ہے کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی روکنے والا نہیں اور کہتے کیا ہیں کہ ہم نمائندے ہیں عوام کے۔عوام نے ہمیں بھیجا ہے،ہم جو چاہے کریں۔

فرمایا: یہ جو عام لوگ ہیں جو خواہشات کے اسیر ہیں جو اپنی اغراض چاہتے ہیں اے میرے حبیب ﷺ ان کی باتوں پر توجہ نہیں دیجئے گا اگر آپ ﷺ ان کی باتوں کو کچھ اہمیت دیں تو یہ آپ کو بھی فتنے میں ڈال دیں گے۔ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ‌ؕ (سورہ المائدہ 49) جو آئین و دستور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا ہے اس سے آپ کو بہکانے کی کوشش کریں گے ہاں اگر آپ کے رویے سے یہ دل برداشتہ ہوں کہ ہماری نہیں سنی جاتی اور قرآن کا حکم نافذ ہوجاتا ہے۔ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا اگر اس سے دل برداشتہ ہوکر پیچھے مڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کا فیصلہ ہمیں نہیں منظور فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ‌ؕ یہ دیکھ لیجئے کہ ان پر اللہ کے عذاب آئیں گے سارے گناہوں کا بدلہ تو حشر کو ملے گا۔ ہاں ان کے چند کرتوتوں کا مزہ اللہ ان کو ضرور چکھائے گا۔ جو قرآن کے حکم سے، جو نبی ﷺ کے حکم سے روگردانی کرے گا۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنی مرضی، اپنی پسند نافذ کرنے کے لئے اور جو لوگ اس کا ساتھ دیں گے فرمایا: اگر یہ آپ کی بارگاہ سے منہ پھیرتے ہیں تو آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے آپ یہ سمجھ لیجئے کہ جو آپ کے در سے پھر رہا ہے اس پر اللہ کا عذاب آنے والا ہے۔ اللہ نے اس کے کچھ گناہوں کی گرفت کرلی ہے اور بعض کرتوتوں کا مزہ اللہ اسے چکھائے گا۔ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ کیونکہ لوگوں کی اکثریت بدکار ہوتی ہے۔ یہ لوگ مخلص نہیں ہوتے۔ یہ لوگ دین دار نہیں ہوتے بلکہ بدکار ہوتے ہیں۔ انکے عقائد و نظریات بھی درست نہیں ہوتے اور ان کا کردار بھی صحیح نہیں ہوتا فرمایا: یہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو قبول نہیں کرتے۔

ہمارے ہاں ایک شور اٹھا۔ بڑی دیر سے چل رہا تھا۔ پرامن تحریک چلتی رہی۔ سوات میں نظام عدل اسلام کے مطابق لایا جائے پھر کچھ لوگوں نے بندوقیں اٹھالیں ہم اس کے حق میں نہیں ہم سمجھتے ہیں۔ انہوں نے بندوق اٹھا کر غلطی کی انہوں نے اک دروازہ کھول دیا۔ جب انہوں نے بندوقیں اٹھائیں تو چور اچکے بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اس میں غیر ملکی ایجنسیاں شامل ہوگئیں۔ جو وہ بندوق نہ اٹھاتے تو بہتر ہوتا۔ بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے لگ گئیں۔ لیکن حکومت نے کہا ہم نظام عدل نافذ کرتے ہیں تو بندوقیں رکھی گئیں امن قائم ہوگیا۔ اب مغرب کے پیٹ میں مروڑ ہونے لگا کہ ایک جگہ نظام عدل لائیں گے تو دوسرے علاقے کے لوگ بھی مطالبہ کریں گے اور یہ پھیلتے پھیلتے سارے پاکستان میں چلا جائے گا۔ یہ لوگ آزاد ہوجائیں گے انہیں روکا جائے۔ چنانچہ انہوں نے حکم دیا کہ یہ نہیں ہوگا اب غلاموں کی مجال نہیں تھی کہ انکار کریں۔ چنانچہ ان لوگوں پر فوج کشی کا حکم ہوگیا۔ اپنی فوج ہے، اپنے لوگ ہیں،

سول مرتے ہیں تو پاکستانی شہری اور فوجی مرتے ہیں تو اپنی فوج مرتی ہے اور اہل مغرب کو یہ سہولت ہوگئی کہ کابل میں ان پر دباؤ کم ہوگیا۔ آپ نے دیکھا جو کئی سالوں سے اپنی چار دیواریوں میں چھپ کر بیٹھے تھے آج وہ افغانستان پر کارروائیاں کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو پاکستانی فوج نے ادھر مصروف کرلیا اور ان کو اتنی فرصت مل گئی اور انشاء اللہ وہ اس میں بھی مار کھائیں گے۔ ذلیل ہوں گے کیونکہ ان کا مقابلہ دیندار لوگوں سے ہے۔ دین ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ دین کے ماننے والے غالب رہتے ہیں لیکن ہمارا یہاں مسئلہ یہ ہے کہ جب یہ اعلان ہوا تھا اور پھر چند دن بعد ہی یہ معاہدہ ختم ہوگیا بے شمار لوگ ٹیلی وژن پر چیخ اٹھتے تھے، بوڑھی عمر رسیدہ خواتین اور مرد کہ دیکھو جی اب ہمیں نمازیں پڑھائی جائیں گی یعنی شکایت یہ تھی بڑی تکلیف دہ بات ان کے لئے یہ تھی کہ اب ہمیں برطانیہ، یورپ، امریکہ اور یہود و نصاریٰ کو چھوڑ کر اللہ کو سجدہ کرنا پڑے گا؟ یہ ہمارے آزاد خیال حکمران طبقے کے جو لوگ ہیں ان کی سوچ ہے۔ اللہ کریم نے بالکل یہی بات کی ہے کہ **اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ** جو لوگ اللہ کے نظام کو نہیں ماننا چاہتے حضرت محمد ﷺ کی بات نہیں ماننا چاہتے تو کیا یہ زمانہ جاہلیت کا، اسلام سے پہلے کا نظام چاہتے ہیں۔ بعثت آقائے نامدار کی آمد سے پہلے جو ظالمانہ طرزِ حیات رائج تھا یہ وہ چاہتے ہیں؟ اس کا مطلب ہے دو باتوں میں سے ایک بات ہوگی یا تو اللہ کا قانون اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد کردہ نظام اسلام رائج ہوگا اگر کوئی اس سے روگردانی کرے گا تو اس طرح کا ظلم کا نظام آئے گا جو اسلام سے پہلے تھا اور وہ نظام ہمارے اعمال کی سزا کے طور پر ہوگا۔ اور جو آج ہم بھگت رہے ہیں پھر اس میں چیخنے کی کیا بات ہے؟ شکایت کس سے کریں کردار تو ہمارا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **اعمالکم عمالکم او کما قال رسول الله** ﷺ تمہارا کردار ہی تم پر حکومت کرے گا تمہارا جیسا کردار ہوگا ویسے ہی لوگ تم پر حکومت کریں گے آج کے حکمرانوں کی فہرست سامنے رکھ کر دیکھ لیجئے کہ ہمارا کردار کیا ہے؟ کیسے کیسے لوگ ایوانِ اقتدار میں بیٹھے ہیں ہمارے کردار، ہمارے اعمال کا پھل ہے جو ہم کرتے ہیں یہ اس کی عملی شکل ہے۔ حجاج بن یوسف گورنر بنا۔ سخت آدمی تھا بے شمار لوگ اس نے تہہ تیغ کرادیئے۔ اسلامی تاریخ میں اس کی اچھائیاں بھی تاریخ میں بہت لکھی ہیں اور جرائم بھی بہت لکھے ہیں اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے وہ دنیا سے چلا گیا۔ وہ جانے رب العالمین جانے۔ ایک دفعہ پورے عراق کے صوبے میں حجاج بن یوسف کیخلاف تحریک چل پڑی۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ اسی عہد میں تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ لوگوں نے حجاج کے خلاف مسلح تحریک شروع کرنے کا سوچ لیا ہے تو آپ حجرۂ مبارک سے باہر آگئے۔ آپ نے دورے کئے اور لوگوں کو بتایا کہ حجاج کی صورت میں جو تم پر زیادتی

ہو رہی ہے۔ یہ اللہ کا عذاب ہے اور عذاب تلواروں سے نہیں ٹلتا توبہ سے ٹلتا ہے اگر تم چاہتے ہو کہ اس سے تمہاری جان چھوٹ جائے تو توبہ کرو گزشتہ پر اور آئندہ اپنی اصلاح کرو تو اللہ اس سے تمہاری جان چھڑا دے گا۔تلوار لے کر میدان میں نکلو گے تو اور تکلیف دہ صورت حال پیدا ہو جائے گی اور عذاب میں شدت آجائے گی، مارے جاؤ گے، قتل ہو جاؤ گے، بے گناہ لوگ مارے جائیں گے۔ لہٰذا وہ تحریک حضرت حسن بصریؒ کے ارشاد پر ختم ہوگئی۔ شروع نہ کی گئی اور فرمایا: توبہ کرو۔ اس میں جو آج حکومت کے خلاف مسلح تحریکیں شروع کررہے ہیں ان کے لئے بھی درسِ عبرت ہے کہ حکومت پر بندوق اٹھانے کی بجائے توبہ کرو اور اپنی اصلاح کرو۔ ہر فرد قوم کا ایک حصہ ہوتا ہے اور ہر فرد کے کردار کا ایک اثر ہوتا ہے پوری قوم پر۔ کیا ہم اتنا نہیں کر سکتے کہ ہم تو گناہ سے توبہ کرلیں اور آئندہ اپنی عملی زندگی قرآن و سنت کے مطابق کرلیں۔ اگرچہ ہمارے ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کا نہیں لیکن یہ اللہ کا احسان ہے کہ قرآن و سنت پر عمل کرنے سے کوئی روکتا بھی نہیں یہ تو اللہ کا احسان ہے نا۔ یہاں سودی نظام ہے مگر جو سود نہ لینا چاہے تو اس کو کوئی مجبور تو نہیں کرتا کہ ضرور لو، کوئی حرام نہ کھانا چاہے تو اسے کوئی مجبور تو نہیں کرتا، کوئی غیر شرعی کام نہ کرنا چاہے تو کوئی مجبور نہیں کرتا یہ بھی اللہ کا احسان ہے۔ تو ہم میں سے ہر فرد کو یہ چاہیے کہ جو گزر چکا اس پر اللہ سے مغفرت چاہیں توبہ کریں توبہ کا مطلب ہوتا ہے ایک عہد کہ جو کوتاہیاں میں کرتا تھا وہ میں نے چھوڑ دیں اور آئندہ وہ نہیں کروں گا اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کروں گا پورے خلوص سے اس پر عمل کی کوشش کرے گا۔ توبہ کا مفہوم یہ ہوتا ہے تو آج جسے کبھی دہشتگردی کہا جاتا ہے، کبھی عسکریت پسندی کہا جاتا ہے، کبھی حکومت نعرے لگاتی ہے، ہم یہ کردیں گے۔ کبھی مخالف نعرے لگاتے ہیں کہ یہ کردیں گے۔ اگر اس ساری نعرہ بازی سے اللہ ہمیں توبہ کرنے کی توفیق دے دے۔ ہم اپنی اصلاح کرلیں تو ہم اپنا کردار درست کرلیں تو وہ قادر و قیوم ہمارے لئے کچھ اچھے لوگ بھیج دیں گے۔

یہ ہماری کمزوری اور کوتاہی ہے کہ ہم نے اسے گلے سے لگا رکھا ہے۔ حکمرانوں کو جو مزہ آرہا ہے وہ تو چاہتے ہیں کہ یہی چلے۔ ہم جو غلام اور محکوم ہیں ہمیں بھی مزہ آنے لگا ہے ہم ایذا پسند ہوگئے ہیں۔ ہمیں جتنے جوتے پڑتے ہیں اتنی لذت آتی ہے۔ ہم کہتے ہیں دو چار اور جوتے مارو مزہ آرہا ہے۔ تو کیا ہم اپنے لئے، اپنی عاقبت کے لئے اور اس قوم کے لئے جسے ہم دنیا میں یہ ملک سپرد کر کے جانے والے ہیں۔ آنے والی نسلوں کے لئے۔ کیا ہم اپنی اصلاح نہیں کر سکتے؟ ہم یہاں دو چار سو بندے بیٹھے ہیں اگر ہم بھی خلوص سے توبہ کرلیں تو اس بیس کروڑ کی آبادی سے یہ چار سو بندوں کا بوجھ تو اتر جائے گا جو ہمارے گناہوں کے طفیل جو تباہی آرہی ہے۔ کچھ تو کمی آجائے گی اور اگر ہم بندوق اٹھانے کی بجائے اس کو

بڑھائیں، دوسرے لوگوں کو دعوت دیں کہ توبہ کرو، رجوع الی اللہ کرو، اللہ کا نام لو، اللہ کو یاد کرو، حضور اکرم ﷺ کے احکام کی پیروی کرو، زندگی کو سنت نبوی میں ڈھالو۔ تو ہوسکتا ہے کہ ہم چار سے آٹھ، آٹھ سے سولہ، سولہ سے بیس کروڑ بندوں کی توبہ کا سبب بن جائیں اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو نیکی کی اس کوشش کا اجر تو اللہ کریم عطا فرمائیں گے اور یاد رکھو جو اپنے آپ کو اتباع سنت میں ڈھال لیتا ہے۔ دنیا پہ آگ بھی برس رہی ہو تو وہ پرسکون رہتا ہے اس کے لئے اللہ کریم ایسا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ جیسے ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں پھینکا گیا تو اللہ نے آگ کو حکم دیا قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (سورہ الانبیاء 69)

''اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا، ابراہیم کے لئے''۔ جلاتی رہی ہے ساری عمر جلاتی رہے گی لیکن اس ہستی کو تجھے آرام دینا ہے آسودہ حال رکھنا ہے۔

اکثر حضرات نے لکھا ہے کہ آگ بجھ گئی لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ آگ کو بجھنے کا حکم تو نہیں دیا گیا آگ کو حکم دیا گیا کہ ساری عمر جلاتی رہ۔ ابراہیمؑ کے لئے پُر فضا مزیدار ہو جا۔ جلتی رہو، تیرا اثر جلانے والا نہ ہو، لوریاں دینے والا ہو۔ تجھ میں دھوئیں کی بدبو نہ ہو۔ تجھ سے خوشبوئیں اٹھیں اور تو مانند باد سحر لوریاں دے میرے نبی کو۔ تو اسے جلا نہیں سکتی۔ بجھ گئی تو عمل کون کرے گا۔ اے آگ براہِ راست آگ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ٹھنڈی بھی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لئے تو ہی سلامتی کا سبب بن جا۔ تو وہ قادر ہے اس نے آگ کو لوریاں دینے پر لگا دیا اور ٹھنڈا کر دیا اور اس میں نسیم سحر کی طرح کا اثر پیدا کر دیا۔ آگ کے بھانبڑ جلتے رہے۔ انہیں لوریاں دیتے رہے۔ انہیں ٹھنڈ محسوس ہوتی رہی۔ انہیں مزیدار موسم محسوس ہوتا رہا۔ جب آگ بجھی تو بادشاہ نے دیکھا کہ وہ تو مزے میں ہیں۔ اسی طرح یہ جو فتنوں کی آگ اور جو عذاب الٰہی کی بارش ہے ہوسکتا ہے۔ چند سو افراد کا توبہ کرنا شاید ساری قوم کی طرف سے کفارہ ہو جائے دوسروں کو بھی توبہ کی توفیق ہو جائے۔ وہ قادر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی ایک کی توبہ ایسی قبول کرلے کہ سب کا عذاب معاف کر دے۔ اس کی مغفرت لامحدود ہے کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم جو خود تائب ہو جاتا ہے وہ اللہ کی رحمت کے سائے میں آ جاتا ہے اور ساری مشکلات میں اللہ کریم اس کے لئے آسانیاں پیدا کر دیتے ہیں۔ خسارہ کہیں بھی نہیں ہے اور جو لوگ قرآن و سنت کا نظام نہیں چاہتے تو اللہ کریم فرماتے ہیں۔ کیا یہ چاہتے ہیں کہ وہی جاہلیت کا نظام رہے، وہی جور و ستم رہے، وہی ظلم و ستم رہے۔ عہد جاہلیت کا نظام کیا تھا؟ طاقتور کمزور کے ساتھ ہر ظلم کر سکتا تھا۔ بچیاں چھین کے لے جاتے تھے۔ عورتیں اٹھا کر لے جاتے تھے۔ گھر لوٹ کے لے جاتے تھے۔ میں وسط ایشیائی اقوام کا حال پڑھ رہا تھا تو ایک شخص قبیلے کا سردار تھا۔ گھر سے باہر گیا ہوا تھا۔ بڑی آبادی تھی واپس آیا تو باغات اجڑے پڑے تھے۔ مویشی بھی کوئی لے گیا۔ بیویاں بھی کوئی لے گیا۔ بیٹیاں بھی لے گئے۔ کچھ لوگ مارے گئے۔ کچھ لوگ چھپ کر بچ گئے لٹا پٹا قبیلہ تھا۔ بچے کھچے افراد کے ساتھ بیٹھا رو رہا تھا اس کا ایک دوست آ گیا پوچھا کیا ہوا؟ تمہاری ہر چیز برباد پڑی ہے اور تم بیٹھے رو رہے ہو۔ اس نے کہا ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ فلاں قبیلے نے چھاپہ مارا ہماری بچیاں لے گئے، عورتیں لے گئے، مال لے گئے، مویشی لے گئے، پھل اجاڑ

گئے، مال ویران کر گئے۔ اس نے کہا اس کا جواب بیٹھ کر رونے سے کیا ہے؟ رونے سے تمہیں یہ چیزیں واپس نہیں ملیں گی۔ اپنے سے کمزور قبیلہ دیکھو جا کر لوٹو اور اپنی کمی پوری کر لو۔ یہ نظام تھا عہدِ جاہلیت کا۔

فرمایا: جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نظام نہیں چاہتے یَبْغُوْنَ عَهْدِ جَاهِلِيَّةِ تو کیا وہ عہد جاہلیت کا نظام چاہتے ہیں؟ کیا یہاں وہی کچھ نہیں ہو رہا؟ اس عہد جاہلیت کے مقابلے میں آج کون سی کمی ہے اگر وہ شرابیں پیتے تھے، آج چھوڑو بڑوں کو اور بچوں کو آج میٹرک کی بچیاں نشہ کرتی ہیں۔ کیوں آپ حقائق سے آنکھیں موڑ رہے ہیں۔ آج دیہات میں بھی وہ نشے مل رہے ہیں۔ جو بھی مصیبت تھی شہریوں کی آج ہر بندے کے پاس اسلحہ ہے۔ معمولی سی بات پر قتل کر دیتا ہے پھر کوئی نہیں پوچھتا جو چاہتا ہے جس کی عزت اتار دیتا ہے۔ بچی اٹھا کے لے جاتا ہے کوئی نہیں پوچھتا کیا ہوا کہ ہزاروں میں سے کوئی ایک اخباری نمائندوں کے آگے یا ٹی وی والوں کے آگے چڑھ گیا اور انہوں نے شور کیا اور پھر اس پر ایک دو روز پکڑ دھکڑ ہوئی اور پھر ختم کسی کا نتیجہ بھی آپ نے نشر ہوتے سنا ہے؟ فلاں جگہ جو واردات ہوئی تھی ٹیلی وژن پر بڑا شور ہوا تھا وہ بندے پکڑے گئے پھر ان کا کیا ہوا کبھی ان کا نتیجہ سنا ہے کہ کوئی بندہ پھانسی لگا ہو یا قید ہوا ہو؟ کچھ نہیں۔ تو کیا ہم لوگ اس سارے حال کے ساتھ راضی رہنا چاہتے ہیں یا اللہ کریم سے توبہ کر کے رسول اللہ ﷺ کے دامانِ رحمت کو تھامنا چاہتے ہیں تو میرا مشورہ یہ ہے کہ ساری قوم کو چاہیے کہ اللہ سے رجوع کرے اللہ سے معافی مانگے اللہ سے توبہ کرے کتنی دیر دنیا میں رہ لے گا کوئی؟ انسانی زندگی ایک عجیب طلسم ہے۔ بلوغت سے پہلے جو سال گزر گئے وہ تو کسی شمار میں نہیں 18,16 برس کا بالغ ہوا تو شرعی اور طبی اعتبار سے بھی اس کی عقل جا کر 40 سال میں پختہ ہوتی ہے۔ 40 سال ناسمجھی میں گزر گئے جب عقل آئی تو اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہونے لگے 50,60 کو پہنچے تو زندگی پر خود بوجھ بن گئے۔ نہ کھانے کا مزہ رہا، نہ پہننے کا، نہ اٹھنے کا، نہ بیٹھنے کا، کہ نا کوئی بات کرتا ہے نہ کوئی حال پوچھتا ہے کہ اس بوڑھے کے ساتھ کون وقت ضائع کرے۔ یہ جو پانچ دس سال کا عرصہ درمیان میں بنتا ہے کیا ہم اس کی اصلاح نہیں کر سکتے؟ اللہ کیسا کریم ہے کہ ہم بوڑھے ہو جاتے ہیں، رشتہ دار چھوڑ جاتے ہیں، اولادیں جواب دے دیتی ہیں، گھر سے کوئی نہیں پوچھتا اور اللہ فرماتے ہیں: میرے ساتھ اب بھی صلح کر لو میں تمہیں اب بھی اتنا ہی نوازوں گا جو تم جوانی میں کرتے تو میں نواز دیتا۔ وہ نہیں کہتا کہ اب بوڑھے ہو کر کیوں آئے ہو؟ وہ قادر ہے وہ چاہتا تو کہہ سکتا تھا کہ جب میں نے جوانی دی اور طاقت دی تو میرے قانون میرے نبی ﷺ کی مخالفت کرتے رہے اب میرے در پر آ گئے ہو۔ مگر وہ کہتا ہے آ گئے ہو اچھا کیا۔ جب آ گئے ہو قبول کرتا ہوں اچھا کیا۔ میں سب معاف کرتا ہوں آئندہ میرے نبی ﷺ کی پیروی کرنا اب اس سے بڑی کیا بات ہے جن کی کوئی

نہیں سننا چاہتا ان کو وہ کہتا ہے دن میں پانچ آوازیں دو آؤ میرے ساتھ باتیں کرو تمہاری کوئی نہیں سنتا چھوڑو سب کو میں سنتا ہوں میری بارگاہ میں آؤ میں سنتا ہوں۔ اپنا درد دل مجھ سے کہو، رکوع و سجود کرو۔ میرا ذکر کرو، میرا نام لو، میرے ساتھ باتیں کرو، مجھے یاد کرو۔ پھر تمہیں اور کیا چاہیے، بات مشکل نہیں ہے اگر انسان سمجھنا چاہے۔ تو فرمایا: لوگوں کی اکثریت گناہ آلود زندگی بسر کرتی ہے۔ حکمرانوں کو حکومت میں لذت ہے تو غلاموں کو اس کوئے غلامی میں لذت ہے اور جو جمہوریت جمہوریت کی رٹ لگاتے ہیں انہیں کوئی مخلص اور کھرا سمجھ کر ووٹ نہیں دیتا۔ ووٹ دینے والوں کی اپنی خواہشات اور لالچ ہوتے ہیں۔ اس کو ووٹ دوں گا تو یہ ملے گا اس کو دوں گا تو یہ ملے گا۔ خواہ کچھ بھی نہ ملے لیکن خلوص سے کوئی نہیں دیتا **كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ** لوگوں کی اکثریت بدکار ہے خود غرض ہے برائی پہ ووٹ دیتے ہیں یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ قرآن کا نظام چھوڑ کر رسول ﷺ کا نظام چھوڑ کر یہ چاہتے ہیں کہ بعثت عالی ﷺ سے پہلے عہد جاہلیت کا جو ظلم تھا وہ جاری رہے؟ **وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ** اگر اللہ تمہیں نورِ ایمان دے دے یقین کی دولت حاصل ہو جائے تو پھر تم سمجھ سکتے ہو کہ اللہ سے زیادہ خوبصورت حکم کوئی نہیں دے سکتا۔ جس پر عمل آسان اور جس کا اجر بے پناہ ہو۔ کام تھوڑا ہو اور اجرت بے حساب ہو۔ یہ قانون صرف اللہ کریم ہی عطا کر سکتا ہے۔ سو میرے بھائی ہمارا اپنے آپ پر بھی احسان ہوگا اس عہد پر بھی اور اس قوم پر بھی اللہ سے ہم عہد کریں کہ اللہ جو ہو چکا وہ معاف فرما دے آمین۔ اور آئندہ اپنی پوری کوشش اتباع رسالت ﷺ کے لئے وقف کر دیں اور حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم کو حرز جان بنائیں اللہ ہمیں توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع کے بغیر ولایت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کے اتباع سے بے نیاز ہو کر ولایت کا دعویٰ کرے تو یقیناً جھوٹا ہے اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

(حضرت مولانا اللہ یار خانؒ)

صنعتِ الٰہی سے عبرت حاصل نہ کرنے والی آنکھ کا اندھا ہی ہونا بہتر ہے اور جو زبان اللہ کے ذکر سے عاری ہو اس کا گنگ ہونا بہتر ہے۔ اور جو کان حق کی بات سننے سے قاصر ہو اسکا بہرہ ہونا اچھا ہے اور جو جسم عبادت سے محروم ہو اس کا مردہ ہو جانا افضل ہے۔

(حضرت جنید بغدادیؒ)

جس دور میں کوئی صوفی ہوتا ہے اس زمانے کے لوگوں کے کردار اسکی زندگی سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ اثرات پھیلتے جاتے ہیں آپ کو زندگی پورے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے بسر کرنی چاہئے۔ اپنے کردار میں، گفتار میں، سونے جاگنے میں، کھانے پینے میں، زندگی کے معمولات میں وہ انداز بیان کریں جو آپ دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ انداز جو آپ میدانِ حشر میں رب العالمین یا بارگاہِ نبوت کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

(حضرت امیر محمد اکرم اعوان)

THE PURE LIFE

Translation of the Urdu book

Hayat-e Tayyebah

by Abul Ahmadain

A Biography of Hadhrat Maulana Allah Yar Khan[-rua]

Ajab Shakhs guzra hai iss rastay say
Sahar jaisee gard-e safar daikhta hoon

(Ameer Muhammad Akram Awan [-mza])
(Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah)

An exceptional person has passed this way
I see Dawn reflected in the dust of his passage (Translation)

****

CHAPTER 1

EARLY LIFE

Hadhrat **Allah** Yar Khan[-rua] was born in 1904 in Chakrala, a far-flung village in Mianwali District, Pakistan; a place infamous in the sub-continent for the mischief created against Islam by Abdullah Chakralwi. This village is situated at the foot of the Koh-e Suleiman mountain range, towards the East, on the Talagang-Mianwali Road, 7 KM from Adda Bun Hafiz Ji. The land is plain and sandy; if it rains, the land yields some produce; else drought is the destiny of the locals. The arid piece of land, though quite fertile but rain-dependent, was ideally suited to groom and instil manly qualities like strength of character, courage and hard work in the 'Man from the Desert', who had been selected by **Allah**[-swt] for guarding the courses of nature and for the Renaissance of the Natural Deen. **Allah**[-swt] gifted him with innumerable qualities, which remained latent in childhood, and like this fertile but rain-dependent land, they bloomed under **Allah**'s Rain of Mercy, so that he became the foremost guiding beacon for the followers on the Path of Tasawwuf.

Hadhrat Ji[-rua]'s father's name was Zulfiqar Khan and the family belonged to the Awan Clan, which descends from Hadhrat Ali[-rau]. Their family name was Sarjal Awan and they had recently moved from Kalabagh to settle in Chakrala. Sardar Zulfiqar Khan was well known for his bravery and strength, and although the clan was relatively new in the area, their presence was strongly felt and no one dared to challenge their authority. Within the confines of Chakrala, the area where the family owned its lands came to be known as Dhok Sarjal. Another 400 Kanals of arable land in the area also belonged to them, but due to its dependence on rain, the yield was low and was hardly enough to make ends meet. He thus inherited simplicity and contentment. The environment in which Hadhrat Ji[-rua] was brought up was totally non-religious. They were Muslims but only in name, far away from religious knowledge and even farther away from religious conduct. Barring a few elders, hardly anyone prayed or fasted. Their vocation was mostly fighting, robbery and murder, which often resulted in their going to prison or being hanged.

This was the background in which Hadhrat Ji[-rua] grew up, but right from childhood he demonstrated a pious character. He did not smoke either hookah or cigarettes. **Allah**[-swt] made vice hateful to him. The feuds, fights and unenlightened arrogance considered as symbols of greatness in the area, were at discord with his noble nature. He always remained inclined towards the true religion and even at a young age he never missed Salah. He lived in a small house about 3 miles away form Chakrala environment and helped his father in farming and herding their sheep and goats. Once, while hacking branches off a tree, he slipped and fell, injuring his right leg. Throughout his life, this injury caused him pain in cold weather and he always had to use a walking stick. In this respect, his herding goats and using a stick, can be likened to that of Prophet Musa[-as]. He also possessed Prophet Musa's[-as] temperament. He was forceful in his arguments, extremely truthful and easily aroused to anger even at a very young age.

When Hadhrat Ji[-rua] was ten years old, he lost his father. He had two brothers, one of whom died in his youth, while the other named Bahadur was the epitome of Chakrala's bad atmosphere, and with the backing of the influential people of the area he remained a source of constant anguish to Hadhrat Ji[-rua]. He never dared to confront Hadhrat Ji[-rua], who, due to Bahadur's covert plotting, remained unhappy with him throughout his life. Hadhrat Ji[-rua] would often say, 'Give thanks to**Allah**[-swt], had I also been uncultured like my brother, it would have been very difficult for weak people to live in this area.'

The dispute of Hadhrat Ji-rua with his brother was never due to matters relating to the family property, lands or any worldly interest, but only due to differences of ideology and conduct. When Hadhrat Ji-rua tried to reform him, he resorted to defiance leading to confrontation. Along with other unscrupulous elements he always stood against Hadhrat Ji-rua, whether it was in the elections or in the local disputes. The poor and the weak people of Chakrala depended upon Hadhrat Ji-rua's support against any atrocity, but unfortunately, the hand behind most atrocities was invariably that of his own brother. Ayub Kundi, a politician from Chakrala, remained very active against Hadhrat Ji-rua. He was from the Peoples Party and being unable to win Hadhrat Ji-rua's support suffered considerable political loss, which was the real cause of his animosity. Thus, not only his family but also others in Chakrala were unfortunately unable to partake in the blessings Hadhrat Ji-rua distributed so freely. Talking about the locals of Chakrala, he would quote the example of blood sucking parasites that live on the udders of cattle and likened them to his people saying that while they sucked his blood, people from outside received milk and blessings from him.

Hadhrat Ji-rua was married in early childhood, but as the land produce was not enough and became worse after the First World War, it became necessary for him to find some employment. His maternal uncle, who was working in Peshawar, took him and got him enrolled in the police. During those days, the Police service was considered a great honour and, in a way, participation of the locals in the British rule. However, it didn't go well with his noble nature and after one year he walked out of his job and returned home. Due to this, a warrant for his arrest was issued and he went back to Peshawar, but when the senior officers tried to restore him, he refused and preferred imprisonment to restoration in Police service. After he returned home, his uncle took him once again and this time got him enrolled in the jail staff and Hadhrat Ji-rua started his career as a guard at the Kohat Jail. Here, Hadhrat Ji-rua set about educating himself with personal effort and keenness. **Allah**-swt had granted him tremendous intelligence and a sharp mind, and within a very short time he was able to complete all his basic education. In those days, the jail staff was usually illiterate, so Hadhrat Ji-rua was appointed the Munshi)clerk(of the Jail.

Due to his position, he got extra time to study and he turned his attention towards religious education. After some time, when he was being considered for further promotion, he fell out with the Jail Darogha (Supervisor). This person was a Hindu and was habitual of misappropriating the prisoners' rations. One of Hadhrat Ji-rua's duties as jail clerk was accounting for the prisoners' rations. He would keep a meticulous account of all the daily expenditure, which he would enter into his ledgers. This made it impossible for the Darogha to steal the rations. He tried several ways to persuade Hadhrat Ji-rua to join him, but when he failed, he changed tactics and became overbearing and aggressive towards him. One day, without cause, he started berating Hadhrat Ji-rua, which the Musavi (like that of Prophet Musa-as) nature of Hadhrat Ji-rua could little tolerate. He hit the thieving Hindu Darogha on the head with the heavy bunch of keys that he was carrying, much in the same manner, as Prophet Musa-as had hit the Egyptian. However, in Hadhrat Ji-rua's case, the result was different. The Darogha proved somewhat hardy and sustained only superficial injury from the heavy blow. An investigation was initiated, but keeping in view Hadhrat Ji-rua's impeccable character, the Jail Superintendent adopted a soft attitude and relieved Hadhrat Ji-rua from service without a formal trial. After sometime, the jail authorities realized that they had made a mistake in letting him off so leniently for such a serious offence and thus issued a warrant for his arrest, but by the time Police reached Chakrala, Hadhrat Ji-rua had already embarked on his journey in pursuit of knowledge, far beyond their reach.

CHAPTER 2
ACQUISITION OF KNOWLEDGE

Since childhood, Hadhrat Ji-rua had a great yearning for knowledge, but who would take the trouble to despatch him daily to the primary school from a far-flung part of the village. Moreover, after his father's death, helping out on the lands and herding their goats became the foremost family priority. In this way, he was deprived of the primary education. During his jail employment, Hadhrat Ji-rua when he got the opportunity to complete his primary education, he also started taking interest in religious knowledge. In the jail, often there would be lengthy discussions on religion and especially on the topic of 'Qadiyaniat' as this Fitnah)heinous issue(was in full force in those days. Hadhrat Ji-rua eagerly took part in these debates. His strong religious convictions made him intolerant of any

deviations in Islam.

In the holy month of Ramadan, Maulana Abdur Rahman was invited from Misryal a Qasbah of Talagang, to lead the Taraweeh prayers and recite the Quran in various Masajid (mosques) of Kohat. Hadhrat Ji-rua regularly attended all the Maulana's meetings as being a Munshi, spared him ample free time in the evenings. At these meetings Hadhrat Ji-rua would ask the Maulana several questions about the false Islamic sects. These questions were often difficult to answer and, being fed up, finally one day the Maulana told Hadhrat Ji-rua that he should study religion in detail and acquire this knowledge for himself to get the answers.

Hadhrat Ji-rua would say later that in the days prior to Maulana's advice, he would believe any literature and misinformation pamphlets of the false factions that he read, simply because his own knowledge and research about religion was limited. 'May **Allah**-swt raise the stations of Hadhrat Abdul Rahman, who advised me to go out and gain religious knowledge, otherwise, I would surely have gone astray.'

This very important milestone in Hadhrat Ji-rua's life took place during his employment when he made up his mind to study religion in depth. Surprisingly, it happened at the time when the Hindu Darogha incident took place and he was freed from employment. **Allah**-swt guided Hadhrat Ji-rua's destiny and changed the course of events to grant his wish. Hadhrat Ji-rua's childhood and adolescence, the most suitable periods for children to start learning passed without education. He completed his primary education during his early youth and when, after relinquishing his job, he turned towards religious studies, he had already completed two decades of his life.

Most biographies when mentioning the greatness of saints, state as a mark of their distinction that they were born in apartments adjacent to a Masjid, they took their first steps in its courtyard, and knew nothing about the world outside until completion of their religious education. Very fortunate indeed are those who hear the Words of Allah and the Holy Prophet-saws as the very first calls in their life, but compare this to the greatness of Hadhrat Ji-rua who craved after these life-inspiring phrases since his tender age, his yearning so intense and his longing so pure, that despite having passed studying age, he covered his education of years in days, and his life started portraying the Words of the Quran and Hadith, after the first few lessons! Hadhrat Ji-rua's life reflects this aspect of greatness.

Hadhrat Ji-rua returned to Chakrala after the termination of his employment, but he remained there for 28 days only, after which he sought permission from his mother to leave for religious education, which this pious lady (May **Allah**-swt send countless blessings on her), willingly gave him. A close relation and also a childhood friend Noor Muhammad also decided to accompany him. Hadhrat Ji-rua's mother had a dream in which she saw a saintly person visit their house and give her two bags, saying that they were for his son. When the pious lady asked one for Noor Muhammad also, the saint struck the ground with his stick and said, 'Can anything grow in such land?' The two bags represented the two types of knowledge that was to be bestowed upon Hadhrat Ji-rua, Worldly knowledge and Spiritual Knowledge, and in time Hadhrat Ji-rua attained the highest distinction in both

Baba Noor Mohammad

Although Hadhrat Ji-rua's childhood companion could not keep up with his learning, his destiny was to be forever entwined with Hadhrat Ji-rua. He fulfilled his friendship obligations in a manner that any person who stayed as Hadhrat Ji-rua's guest could never forget his respectful behaviour and sincere hospitality. Being a close relative he had access to Hadhrat Ji-rua's household and was responsible for looking after Hadhrat Ji-rua's guests and informing Hadhrat Ji-rua of their requirements. Once Colonel Mahboob came to visit Hadhrat Ji-rua at Chakrala. He intended to fast the following day and so as not to disturb his host, he kept some bread aside from his dinner to eat for Sehri (Suhur) next morning. This gesture did not escape Baba Noor Mohammad who informed Hadhrat Ji-rua of Colonel Mahboob's intention. Hadhrat Ji-rua ordered that special tea and Parathas (fried bread) should be sent to Colonel Mahboob for Sehri, and in this way Baba Ji got one more chance of serving Hadhrat Ji-rua's guest. For his sincere service to Ahbab (friends, members of the Silsilah) and his devotion to Hadhrat Ji-rua, Baba Ji earned Hadhrat Ji-rua's eternal closeness and final proximity. Hadhrat Ji-rua was in Multan when he was informed of the death of his close friend Baba Ji, and instructed that he be buried under a particular tree on his lands, adding that his own final resting place will also be near by.

Baba Ji spoke very little, and the expression of his love for the visitors of Hadhrat Ji-rua was the faint smile he always wore on his face. Today too, Baba Ji is silent, and very few people know who is lying in eternal rest next to Hadhrat Ji-rua. However, the grave of Baba Ji is sending a silent message to all

visitors that those who grab the mantle of such great personalities, are never left out. Those that sit in their company are never touched by misfortune. (al Hadith).

In those days there were no regular religious schools like today. The reason was that due to the destruction of the Islamic States in India by the British, religious institutions set up by Muslim rulers were in a state of disarray; teachers had dispersed and books had been lost. Therefore, under these conditions, whenever the seekers of knowledge heard of a competent teacher, they would attach themselves to him, learn his specialist subject and then look around for other competent teachers to complete their studies. In this quest Hadhrat Ji[rua] also moved from place to place.

Hadhrat Ji[rua] started his religious studies in about 1925 or a couple of years later, in Bhera, and then moved on to Langar Makhdoom in Sargodha District, Chak No. 10, Mauza Shahir, Kot Fateh Khan, Dera Jarah and then on to Jallah Makhdoom, It was while he was studying at Jallah Makhdoom that the Jail Authorities realized that hitting the Jail Darogha had been a serious offence for which the punishment of mere dismissal from service was insufficient. New warrants were issued and police reached Jallah Makhdoom to arrest him, but his teacher who had been informed of this before hand, sent Hadhrat Ji[rua] away in time. That way he could not be apprehended by Police. From Jallah Makhdoom he came to Pindi Gheb but stayed here only a few days.

Whenever Hadhrat Ji[rua] was informed of an accomplished teacher, he would head in that direction. Maulana Muhammad Ismail, a well-known teacher had a Darsgah (religious school) at Mohra Korchasham, within the confines of Chakwal, and in 1928-29 Hadhrat Ji[rua] made his way there. He recited a Hadith from Bukhari Sharif to the Maulana and requested an explanation, saying that he had been unable to get any satisfactory answer from the numerous Ulama he had met. The Maulana did not answer him then, but asked him to return at the time of Tahajjad (midnight prayer). Hadhrat Ji[rua] returned at the stated time and a deep discourse took place between them in which both the pupil and the teacher recognized each other's talent. The result of this midnight discourse decided that Hadhrat Ji[rua]'s next school would be this Darsgah, where he remained for the next 3 years, although even in later years he returned there many times for religious discourse.

In Kot Fateh Khan he studied the intricate rules of grammar from Maulvi Sahib 'Rampur Walay', who had graduated from Deoband; he studied Persian (Farsi) literature at Bhera, Chak No. 10 near Sargodha and Langar Makhdoom, and to learn Farsi grammar he spent a considerable time at Mauza Shahir and Chak No. 10. He also went to Pindi Gheb for the purpose, but returned after a few days, dissatisfied.

At Langar Makhdoom, Hadhrat Ji[rua] remained associated with Maulana Muhammad Makhdoom. It is worth nothing that under the patronage of the Makhdoom family, for centuries, this place had remained a centre for religious learning. Lahore's famous Saint Khawajah Muhammad Ismail Suharwardi aka Mian Wadda[rua] had been a pupil of Makhdoom Abdul Kareem[rua] here, in the 11th Century Hijrah.

In 1932, Hadhrat Ji[rua] went to reside at the Khawajgan Masjid in Dalwal, near Kalar Kahar, for studying the Hadith under the tutelage of Maulana Syed Amir[rua], Fazil-e Deoband (graduated from the school at Deoband). On completion, a Turban (Dastaar) was conferred on him. Maulana Syed Amir was an extremely pious person. In old age he contracted TB and was brought to Lahore for treatment, but on seeing nurses without Purdah (Hi jab), he refused to remain in hospital and returned home without treatment.

During his stay in Dalwal, Hadhrat Ji[rua] got the chance to speak in his first debate at Dheri Sayyedan. He had not prepared for the debate but when he realized that the religious scholars of Ahl-e Sunnah were unable to refute their opponents, he stood up and spoke. Due to his success in this debate, he became known nationally.

Hadhrat Ji[rua] studied under various teachers very diligently and after years of hard study apart from mastering books in the Arabic and Persian languages, he attained distinction in other fields of learning like logic, etymology and development of words, grammar, Tafseer of the Quran and Hadith, intricacies of religious debating, and rebuttal of false factions posing under the guise of Islam. His teachers were very impressed by his God-gifted abilities. His memory was so sharp that one reading would fix a lesson forever in his mind and there was never a need to repeat the lesson. Sometimes, when he shared a lesson with other students, they thought that he had already read the book and was only revising. The fact that he was much older than them, made it hard for them to believe that he too, like them, was studying it for the first time.

Madrassah Ameeniah

Despite having been granted a Turban (Dastaar) for his study of Hadith at the Masjid Khawajgan at Dalwal, Hadhrat Ji[rua] was not satisfied, and for revision of Hadith education, he joined the Madrassah Ameeniah in Delhi in 1933. The Head of this Madrassah, (religious school) in those days, was Mufti

Kafayat Ullah[rua]. Deoband Madrassah had been locked due to the Raishmi Roomal (Silk Handkerchief) Movement; its teachers had either been imprisoned or exiled and most of those who had escaped the clutches of the British were teaching here. In this way, Hadhrat Ji[rua] was able to take full advantage of their presence. Under the tutelage of Mufti Kafayat Ullah, he read the Tafseer (commentary on the Quran) of Hadhrat Abdullah bin Umar[rau], Bezawi, Tahavi Shareef and Hadaya. During lessons, many religious discourses took place between teacher and student. Once, recalling their discussions Hadhrat Ji[rua] said, "Whenever I asked a question, Mufti Kafayat Ullah[rua] would listen with attention. The question would be solid and he would say, "You always keep the rules in mind when asking a question, where did you study these rules?"

After completing his Hadith studies, Hadhrat Ji[rua] was unhappy to leave Madrassah Ameeniah, and in a nostalgic frame of mind wrote a couplet in Farsi (Persian) on its wall, the meaning of which is:

"I am leaving Delhi with a heavy heart,
Delhi is like Paradise and I am leaving it like Prophet Adam[as]."

This action was somewhat similar to Maulana Abdur Rahman Jami[rua]'s writing a verse on a Masjid wall a couple of centuries earlier, when in the quest of knowledge he, accompanied by his students, had called upon the Sufi saint, Hadhrat Ubaid Ullah Ahrar[rua]. Expecting to find a poor fakir, he found Hadhrat Ubaid Ullah Ahrar[rua] an affluent person, surrounded by luxury. Leaving the Darsgah disillusioned, Hadhrat Abdur Rahman Jami wrote his lament on one of its walls:

'He who covets the world is not a man.'

It was late afternoon and being overcome with fatigue, he ate some food from the 'Langar' (common kitchen) and went to sleep in the courtyard of the Masjid. In a dream he saw himself on the Day of Judgment, being dragged towards Hell in punishment for a corncob he had once unlawfully eaten. While he was being dragged, his gaze fell on a distinguished Master surrounded by his servants, one of whom was carrying a basket full of corncobs. The Master ordered the servant to toss a corncob to him so that he may return it and free himself of his guilt. The distinguished Master was Hadhrat Ubaid Ullah Ahrar[rua], who helped him on the Day of Judgment. When Maulana Jami[rua] woke up it was time for the Zuhr prayer. After Salah, Hadhrat Ubaid Ullah Ahrar[rua] was leaving the Masjid when he saw Hadhrat Jami[rua] standing in front of the wall desperately tying to cover his earlier comment. On insistence of the Shaikh he stepped aside, the Shaikh read the verse and told him to complete the couplet:

"He who covets the world is not a man
But if he does, he does it only for the Friend".

Who was to know that Hadhrat Ji[rua]'s lament on a Madrassah wall, common to that of Hadhrat Abdur Rahman Jami, would in time to come, entwine Hadhrat Ji[rua]'s destiny with these distinguished personalities and that his name would follow theirs in the Shajrah (Chain of Transmission) of the Silsilah Naqshbandiah Owaisiah.

Enquiry and research were two qualities that were part of Hadhrat Ji[rua]'s nature. He would exchange views with various teachers and would not be satisfied till he had fully understood the point. Mentioning the Hadith-e Jibreel, he said later that he would detain his teachers some times for an hour or two hours, till he felt he had completely understood the correct meaning. He was extremely respectful towards his teachers and even during discussion and inquiry, his manner and tone was extremely reverential, refined and respectful.

Syed Anwar Shah Kashmiri[rua]

It is said that the Muhadditheen (The exalted persons who collected the Hadith the traditions of the Holy Prophet[saws]) travelled thousands of miles to collect and authenticate every single Hadith. Similar effort was undertaken by Hadhrat Ji[rua] in the quest of religious knowledge. At the culmination of his education, he went to Hadhrat Anwar Shah Kashmiri[rua] to learn the subtle realities of extremely delicate issues. Hadhrat Ji[rua] spoke of him in very reverential tones. To explain the topic of 'subtle realities', Hadhrat Ji[rua] would recount the dialogue between Shaikh Abul Hassan Kharqani[rua] and Sultan Mahmood Ghaznavi (the king from Ghazna who preceded the Mughals by a few centuries into India). The Shaikh read the Sultan the famous quotation of Hadhrat Bayazid Bustami[rua]: "Whoever sees me will be safe from Kufr (disbelief) and Shirk (polytheism)." The Sultan strongly objected to this; saying that the status of Hadhrat Bustami[rua] was not higher than that of the Holy Prophet[saws], because two of the most staunch Kafirs i.e. Abu Jahal and Abu Lahab had both seen the Holy Prophet[saws] but they did not remain safe from Kufr and Shirk. Hadhrat Abul Hassan Kharqani[rua]'s reply to the Sultan was that apart from the four Caliphs[rau] and the Companions, nobody had seen the Holy Prophet[saws] and the following verse of the Holy Quran asserts: They look towards thee, but they do not see. (7:198). After quoting this incident, Hadhrat Ji[rua] would say, "When I am questioned on the Day of Judgement, "What good deeds have you brought?" I shall reply: "O Almighty **Allah**, I had the honour of paying a visit to Thy good servant Syed Anwar Shah Kashmiri, and that is the only good deed I can present before You."

Hadhrat Ji[rua] spent approximately ten years in pursuit of scholarship. He kept moving from place to place and from teacher to teacher. He completed in months, what took others years to learn. His unmatched intelligence, keen memory, ten years of solicitous study, and tutelage under teachers of the calibre of Hadhrat Syed Anwar Shah Kashmiri[rua], Mufti Kafayat Ullah, and Maulana Khalil Ahmed Anbethwi[rua] point to the vastness and depth of his knowledge. Hadhrat Ji[rua]'s aim was not to collect Turbans or to get degrees but to gain knowledge per se, which has no limit, and this remained his foremost priority throughout his life.

The Science of Herbal Medicine

In those days, majority of the students, after completing religious education, studied the science of herbal medicine. This enabled them to support themselves financially while they taught gratis at religious schools, solely to gain **Allah**'s Pleasure. It was a common practice with many distinguished Ulama (religious teachers) to practise medicine, when free from teaching, to support themselves. Even some Muslim sultans have also been known to live entirely on the meagre income made by selling hand-made caps and copies of the Quran. Alas, this noble practice has been abandoned. If today, along with religious studies, these schools also imparted vocational training to their students, not only would it enhance the honour of these institutions, but also the thousands of students graduating annually would become useful citizens of the country.

Hadhrat Ji[-rua], according to custom, studied the science of 'Hikmat', and within 6 months completed the course with distinction to become an expert in this field. During his stay in Delhi he also met Hakeem Ajmal Khan and learnt three curative prescriptions from him. Hadhrat Ji[-rua]'s fame spread not only as a religious scholar but also as a famous Hakeem)Hakeem-e Haziq, one who is an expert in his field(; but the excessive demands on his time, due to his religious activities, did not allow him to continue the practice.

Hadhrat Ji[-rua] would sometimes diagnose complex illnesses of his followers and prescribe for them. The author (of the original book in Urdu) was given a prescription for jaundice, which is effective even today. Once, when despite vigorous analysis and tests, the author's malady could not be diagnosed, he mentioned it to Hadhrat Ji[-rua] who always preferred to read to the pulse at the time of Fajr. After the Fajr Salah the author attended upon Hadhrat Ji[-rua] who, while sitting on his prayer mat, read the pulse, diagnosed the malady and gave a prescription. A few weeks of medicine use cured him completely. Hadhrat Ji[-rua] would also advise a 'Wazifah' (Quranic Verses) to read along with the cure. Along with the prescription be also asked the author to place the right hand over his head after offering every Fardh Salah and to recite 7 times: "Allah, Allah-o Rabbi, La ushriko Behi Shai'ya". This too has been very beneficial to his followers.

Teaching and giving Lectures

After completing his education, Hadhrat Ji[-rua] returned to Chakrala in 1934-35, when he was about 30 years old. According to the wishes of his mother he got married again. When Habib Khan, one of his old friends from student days heard of his return, he pleaded with him to take over the responsibilities of a teacher at his village and so Hadhrat Ji[-rua] accompanied by his wife moved to Chak 66, where they were provided proper 'Purdah' accommodation. He resided there during 1935-36.

Since Hadhrat Ji[-rua] had become well known in Dalwal from his student days, a landlord of this area, Malik Hakim Khan, who had considerable land in Chak no.13, Khanewal, then requested him to take over the teaching of religious instruction in that area, which he accepted and moved there with his wife. Hadhrat Ji[-rua]'s elder daughter Ghulam Sughra was born there in 1937 followed by his son Abdur Rauf in 1939. However, in 1941 Hadhrat Ji[-rua]'s wife passed away and after her burial in Chak no.13, he returned back to Chakrala with his young children so that his mother could take care of them.

On his return, Hadhrat Ji[-rua] noticed that Chakrala had, by then, become a vice den. If any religious person ventured there for preaching the truth, he would be intimidated and forced to leave. On the other hand, Hadhrat Ji[-rua], apart from being a well-known religious personality was also a local Zamindar (a land owner). In opposition to this irreligious group, he set himself up in the grand Masjid called 'Chitti Masjid' (the White Masjid), and remained busy in giving daily lessons till Zuhr. He would then offer the rest of his prayers in a small Masjid near his house, where he was followed by his students, and the lessons would continue till Maghreb. He would deliver the Jum'ah lecture at the Chitti Masjid, which would be very effective, and a source of guidance for the simple but misguided Muslims.

The movement of religious reformation that Hadhrat Ji[-rua] started was not welcome by the wayward people of the area and, as expected, they raised a grand opposition to him. In this respect, however, the ties of his clan and relatives proved strong and despite being irreligious, they came out in his support. Hadhrat Ji[-rua] would often mention a person called Sultan Surkharu, who as a well known notorious character, but a brave man. He, along with his band of followers stood by Hadhrat Ji[-rua] against the opposition. Whenever he would present himself to Hadhrat Ji[-rua], he would sit at his feet and when invited to sit on his bed, he would reply that being an irreligious and illiterate man he could not bring himself to sit on the same bed as Hadhrat Ji[-rua]. He said that his only wish was to spend the rest of his life defending Hadhrat Ji[-rua]. In 1963, due to some old animosity, he was shot dead in Mianwali. Hadhrat Ji[-rua] would often say, "Even irreligious people helped me for the sake of Islam".

It was during this period that the Fitnah (sedition) of Chakralwi also disappeared from the face of this earth. In relating the account of the last descendant of Abdullah Chakralwi, Hadhrat Ji[-rua] would recount that he lost his senses in old age and kept repeating during his last days that his body should be burned. Take warning, then, O ye with eyes to see. (59:2)

It would not be correct to say that Hadhrat Ji[-rua]'s education was confined to a specific period of his life or he spent a specific time in learning, since he kept acquiring knowledge throughout his life. Books were his companions. Whenever he was presented with a new book he would read it in a single sitting and not only would he carry out a detailed discussion about it, he would also quote from it. A particular class of memory is known as 'photographic memory' in English, which denotes a sharp memory that can retain everything which crosses the eyes. **Allah**[-swt] had gifted him with something even better, a miraculous memory that astounded not only the common folk but also the learned Ulama.